pklibrary.net
pklibrary.net

www.pklibrary.net

غیرت مند

مشہور ماہرِ نفسیات ولفی کہتا ہے۔

"احساس برتری کے پیچھے احساس کمتری پوشیدہ رہتا ہے۔

یہ کہانی انکشاف کرتی ہے۔

"غیرت مندی کے پیچھے بے غیرتی کی بھرمار ہوتی ہے۔"

کیا آپ جانتے ہیں کہ جھوٹ بولنے کا سلیقہ ہو تو وہ سچ بن جاتا ہے۔

بے غیرتی کا فن آتا ہو تو وہ غیرت بن جاتی ہے۔

آپ نہیں مانتے تو اس کہانی کو پڑھ کر مان لیں گے۔

www.pklibrary.net

غیرت مند

میرامیرخان کی صاحب زادی افشاں کی سالگرہ تھی۔ افشاں بھی دو برس کی تھی۔ وہ اپنے ننھے ہاتھوں سے اپنے جنم دن کا کیک نہیں کاٹ سکتی تھی۔ اس کی امی نے خود اپنے ہاتھوں سے کیک کاٹ کر اور خود کھا کر اپنی آدھی سالگرہ منالی۔ اتنی سی بچی کیا جانے کہ عمر کیا ہوتی ہے۔ یہ عمر دولت سے کیسے بڑھ جاتی ہے اور غربت سے کیسے گھٹنے لگتی ہے۔ دولت مند گھرانوں میں بس یونہی کھانے پینے اور خوشیاں منانے کے بہانے ڈھونڈ لیے جاتے ہیں اور میرامیرخان کے پاس تو اتنی دولت تھی...... اتنی دولت کہ دودھ سے کلیاں کرتے تھے۔

جب وہ فخر سے سر اٹھا کر چلتے تو انہیں آسمان نظر آتا تھا یا سامنے کے لوگ نظر آتے تھے۔ انہوں نے زمین کبھی نہیں دیکھی تھی کہ چلتے وقت کسے کچلتے جا رہے ہیں۔ اب انسان ہمیشہ سر جھکا کر تو نہیں چلتا۔ کتنے کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں قدموں تلے آکر کچلی جاتی ہیں' یہ حساب آج تک کسی نے نہیں کیا۔

ان کی عالیشان کوٹھی کے باہر ایک چیونٹی خیرات مانگنے کھڑی ہوئی تھی۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں اس کی جوانی میلی میلی سی نظر آرہی تھی۔ اس کی گود میں بھی دو برس کی ایک ننھی سی بچی تھی۔ میرامیرخان اپنے مہمانوں کے درمیان ہنسنے بولنے میں مگن تھے۔ ان

www.pklibrary.net

کے ایک ملازم نے انہیں ایک طرف بلا کر کچھ کہا تو ان کے چہرے سے ساری خوشیاں مکھیوں کی طرح اڑ گئیں۔ انہوں نے چور نظروں سے اپنی بیگم کی جانب دیکھا۔

بیگم ہنس ہنس کر اپنی سہیلیوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ ننھی افشاں ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی تھی۔ وہاں اتنی ساری خوشیاں تھیں کہ خوشیوں کے ہجوم میں بیگم نے تھوڑی دیر کے لیے اپنے میاں کو بھلا دیا تھا۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر باہر آ گئے۔

باہر کوٹھی کی دیواروں سے لٹکتے ہوئے قمقمے جلتے بجھتے جا رہے تھے۔ جب وہ نوجوان چپڑاسن کے سامنے پہنچے تو بالکل ہی بجھ کر رہ گئے۔ انہوں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"زرینہ تم...... تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

"زرینہ نے اپنی گود کی بچی کو ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی آپ کی بچی ہے۔ آپ ایک بچی کی سالگرہ منا رہے ہیں' کیا دوسری کے لیے دل میں کوئی خوشی پیدا نہیں ہوتی ہے؟"

"بکواس مت کرو۔" انہوں نے دبی دبی سرگوشی میں بڑی سختی سے کہا۔ "کیا تم مجھے بدنام کرنے آئی ہو؟ پتہ نہیں کس کا گناہ میرے سر تھوپ رہی ہو۔"

"خدا کے لیے ایسا نہ کہیں۔ خود کو بچانے کے لیے اپنی بچی کو بدنام نہ کریں کہ یہ کسی اور کا گناہ ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک میں اس کوٹھی میں کام کرتی رہی۔ آپ اپنی بیگم سے چھپ چھپ کر میرے پاس آتے رہے۔ ان دنوں آپ کی کوٹھی میں آپ کا کوئی مرد رشتہ دار نہیں تھا۔ اتنی بڑی کوٹھی میں صرف آپ ہی میری تنہائی کے شریک رہے۔ اس بات کی بیگم صاحبہ گواہ ہیں۔ ایک دن انہوں نے اپنی آنکھوں سے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اور مجھے دھکے دے کر یہاں سے نکال دیا تھا۔"

وہ کہہ رہی تھی۔ اس کے اداس چہرے پر قمقموں کا ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ پائیں باغ کی تنہائی میں میرا میر خان مجرم بنے اس کی باتیں خاموشی سے سن رہے تھے۔ اس وقت اپنی عزت اور اپنی خاندانی شرافت کو بحال رکھنے کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔ جوانی میں کون غلطیاں نہیں کرتا۔ ان سے بھی ایک غلطی ہوئی تھی۔ غلطی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ غلطی کو گلے لگایا جائے۔ عزت آبرو سے زندہ رہنے کے لیے آئندہ ایسی

www.pklibrary.net

حماقت سے دور بھاگنا لازمی ہو جاتا ہے۔ موجودہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ فی الحال نرمی سے کام لیں۔ ڈانٹ ڈپٹ یا رعب جمانے سے یہ بات کوٹھی میں آئے ہوئے مہمانوں تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ اسے ٹالنے کی کوئی مناسب تدبیر سوچ رہے تھے۔ زرینہ کہتی جا رہی تھی۔

"جب میری ماں کو پتہ چلا کہ میں ماں بننے والی ہوں تو وہ غیرت مند یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی۔ انسان عزت اور غیرت کے لیے زندہ رہتا ہے یہ نہ ہو تو وہ مر جائے۔ وہ بھی مر گئی مگر میں بدنامی اٹھا رہی ہوں۔ آپ کا نام زبان پر نہیں لاتی ہوں۔ جو آپ کی طرح عزت دار ہیں وہ یہی کہیں گے کہ میں آسمان پر تھوک رہی ہوں۔ میں تو کسی طرح جی لوں گی مگر یہ سوچ کر کانپ جاتی ہوں کہ یہ میری اور آپ کی بیٹی بھی آپ کے نام کے بغیر بدنام ہوتی رہے گی۔ اسی لیے آپ سے التجا کرنے آئی ہوں کہ آپ کم از کم اس معصوم کی عزت کا تحفظ کریں۔"

میرا میر خان نے جواب دینے سے پہلے کوٹھی کی جانب دیکھا۔ کہیں کوئی آ تو نہیں رہا ہے! اتنی سردی میں کسی کے باہر آنے کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔

"نہ جانے یہ کس کی بچی ہے۔ تم اسے مجھ سے منسوب کر رہی ہو۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ تم سے جھگڑا نہیں کروں گا۔ تم مطلب کی بات کہو اور تم کیا کہو گی۔ تمہاری باتوں سے میں سمجھ گیا ہوں کہ اب ساری عمر سزا کے طور پر مجھے جرمانہ ادا کرتے رہنا ہو گا۔ دیکھو' میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں پہلی اور آخری بات کہہ دیتا ہوں کہ اس بچی کے لیے میں ہر ماہ پانچ سو روپے دیا کروں گا۔ جب یہ بڑی ہو جائے گی تو ہزار روپے دیا کروں گا۔ تم اسے لے کر دور کسی محلے میں چلی جاؤ۔"

"آپ کے پیسوں پر آپ کی بیٹی کا حق ہے۔ اسے زندہ رکھنے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت ہے مگر باپ کے نام کی کمی کیسے پوری ہو گی؟"

"یہ ناممکن سی بات نہیں ہے۔ کوئی پوچھے تو کہہ دینا اس کا باپ مر چکا ہے۔"

"آں؟" زرینہ کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بچی کے زندہ باپ کو دیکھ رہی تھی۔ جو مردے کی طرح بول رہا تھا۔ جوانی کی پہلی ہی ٹھوکر سمجھا

www.pklibrary.net

رہی تھی کہ ایسے بچوں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کے باپ مرجاتے ہیں۔ نہیں باپ نہیں مرتے' بچوں کے لیے ان کے نام مرجاتے ہیں۔ وہ انکار میں سرہلاتے ہوئے بولی۔

"اس بچی کے دشمن مریں' اس کا باپ نہیں مرے گا۔ آپ کے زبانی مرجانے سے وہ خون تو نہیں مرے گا جو اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔"

"دیکھو بحث نہ کرو۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ کسی سے شادی کرلو۔ اس بچی کو ایک باپ کا نام مل جائے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے شیروانی کی اندرونی جیب سے دو ہزار روپے نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

"یہ دو ہزار روپے ہیں۔ اگلے ماہ سے پانچ سو ملا کریں گے۔" جب یہ سکول جانے لگے گی میں ہزار روپے ماہوار دیا کروں گا۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔"

انہوں نے بچی کی گود میں دو ہزار روپے رکھے پھر مزید کوئی بات سنے بغیر کوٹھی میں چلے گئے۔ اب ان کے چہرے پر پہلی جیسی رونق نہیں تھی۔ مہمانوں کے درمیان ان کا دل گھبرانے لگا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ باہر خیرات مانگنے والے خون کے لیے ان کا دل تڑپ رہا تھا۔ اپنا خون تو اس محفل میں بھی تھا۔ ریشم کی گھیردار فراک پہنے ہوئے وہ بالکل گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی دل مچل گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لیا اور بے تحاشا چومنے لگے۔ اسے خون کی کشش کہتے ہیں۔ خون آپ ہی چومنے پر مجبور کردیتا ہے۔

جب مہمان رخصت ہوگئے تو وہ اپنی بیگم سے سردرد کا بہانہ کرکے بستر پر آگئے۔ خواب گاہ کی تمام روشنیاں بجھادیں تاکہ بیگم آئیں تو اندھیرے میں ان کی پریشانیوں کو نہ پڑھ سکیں۔ پریشانی یہ تھی کی دو کوڑی کی عورت انہیں بلیک میل کرنے آئی تھی۔ ایسی عورتوں کا کیا اعتبار پتہ نہیں کہاں کہاں جاکر منہ کالا کرتی ہیں مگر سارا الزام کسی دولت مند کے سر لادیتی ہیں تاکہ ساری زندگی ان کی روزی روٹی چلتی رہے۔ ایک شریف آدمی ایسوں کے منہ نہیں لگ سکتا۔ انہوں نے ایک گہری سانس لے کر سوچا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بے انتہا دولت دی ہے۔ اپنی عزت کی خاطر ہر ماہ دو چار ہزار روپے پھینک دینے سے میرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اپنی غلطی پر

www.pklibrary.net

پردہ ڈالنے کے لیے ہر ماہ جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ کوئی بات نہیں اب وہ مجھ سے دور رہے گی۔ کبھی اس طرف نہیں آئے گی۔ میں اپنے ایک رازدار ملازم کے ہاتھوں پابندی سے اس کے حصے کی رقم پہنچا دیا کروں گا۔ لعنت ہے اس پر۔"

وہ لعنت بھیج کر ذرا مطمئن ہو گئے۔ اسی وقت بیگم نے آکر سوچ آن کر دیا۔

"آپ اندھیرے میں کیوں پڑے ہیں۔ دیکھیے تو آپ کی بیٹی ابھی تک جاگ رہی ہے۔ اللہ جانے کتنوں کی نظر لگی ہوگی۔ سب ہی کی گود میں ہنستی کھیلتی رہی ہے۔ میں نے تو اسے نظر کا ٹیکہ لگا دیا ہے۔"

وہ ممتا کے جوش میں بولتی جا رہی تھیں وہ بیٹی کو گود میں لے کر جبراً ہنسنے بولنے لگے۔ اپنی گود میں پھول ہو تو دوسروں کی گود کا پھول کانٹا ہی نظر آتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کانٹا چبھونے والی زرینہ کہاں سے آمری تھی۔ اتنی خوشیوں کے بیچ اس کی میلی سی گود میں میلی سی بچی چبھ رہی تھی۔

سات سال گزر گئے۔ بیگم نو سال کی افشاں کو لے کر اسکول میں داخلے کے لیے گئیں تو وہاں بڑے فخر سے اس کے باپ کا نام میرا میر خان لکھوایا۔ اس دنیا میں صرف نام چلتا ہے کام میں کچھ خرابی ہو تو وہ بڑے جتن سے چھپا دی جاتی ہے۔

کام میں کچھ خرابی ہو گئی تھی۔ اس لیے زرینہ نے اپنی بیٹی کا داخلہ کراتے وقت بڑی اداسی سے سر جھکا کر اسی میرا میر خان کا نام لکھوایا تھا لیکن نام کے آخر میں "مرحوم" کا اضافہ کر دیا تھا۔ ایک ہی شخص کا نام ایک جگہ زندہ و تابندہ اور دوسری جگہ مردہ تھا۔ ایک جگہ وہ بیٹی کو چومتا تھا۔ اس کے مستقبل کی فکر کرتا تھا۔ دوسری طرف دور ہی سے خیرات کے طور پر پیسہ پھینک دیتا تھا۔ اس کے ہاں سات برس کے عرصے میں دو بیٹوں کا اضافہ ہو گیا تھا مگر دوسری طرف زرینہ ویران ہو گئی تھی۔

اس نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ عمر کے پہلے ہی جھونکے میں اس نے ایک مرد کے پیچھے ہزاروں مردوں کے چہرے دیکھ لیے تھے۔ عورت جب صبر کرنے پر آتی ہے تو تمام ارمانوں اور آرزوؤں کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ زرینہ کو سمجھنے کے لیے عورت کی سماجی زندگی کو سمجھنا ضروری ہے کہ کس لیے وہ مرد کے سائے میں زندگی گزارتی ہے۔ صرف اپنے تحفظ کے لیے وہ کسی مضبوط سہارے کی اس لیے وفادار رہتی ہے کہ اس کے سائے

www.pklibrary.net

میں فکر معاش سے نجات ملتی ہے۔ مرد کی کمائی اسے روٹی کپڑا اور مکان دیتی ہے۔ یہ تینوں چیزیں اسے اپنی بیٹی آمنہ سے مل گئی تھیں۔ اور آمنہ کو اس کے مردہ باپ سے مل گئی تھیں۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ زرینہ کو ایک مرد کی کمائی کا سہارا تھا۔ اس لیے اس نے کسی دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھا۔

میرا میر خان اس کے شادی نہ کرنے کے فیصلے پر جھنجلا رہے تھے۔ ان کے رازدار ملازم سے زرینہ کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ انہوں نے اپنے ملازم کو سمجھا دیا تھا کہ وہ ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہو کر ایک غریب عورت اور اس کی بیٹی کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ ایک معمولی ملازم کے سامنے وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اپنی غلطی کی سزا بھگت رہے ہیں مگر وہ دل ہی دل میں جھنجلا کر کہتے تھے۔

"میں سب سمجھتا ہوں۔ وہ اس لیے شادی نہیں کرتی کہ ایک مرد کا سہارا مل جائے گا تو میری طرف سے پیسے نہیں ملیں گے۔ ہر ماہ ایک ہزار روپے کمانے والے مرد کا ملنا بہت مشکل ہے۔ عورت ہے تو کیا ہوا کاروبار کا ڈھنگ جانتی ہے۔ کچھ عرصے بعد اس کی بیٹی آمنہ جوان ہو جائے گی تو وہ اور زیادہ رقم مانگنے لگے گی۔ اس کی شادی بیاہ کے لیے اور اس کے جہیز کے لیے مجھ سے جتنی دولت کھینچ سکتی ہے کھینچتی رہے گی۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بیٹی کی شادی بھی نہ کرے اور مجھ سے ہر ماہ معقول رقم حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے راستے پر چلاتی رہے۔"

وہ زرینہ کے خلاف جتنی باتیں سوچ سکتے تھے' سوچتے رہے۔ اپنے بارے میں ان کی رائے صرف یہی تھی کہ ان کو ایک بھول کی سزا ساری عمر نہیں ملنی چاہیے۔ انسان جوانی میں کیا نہیں کرتا۔ ان کے بزرگ بھی کوٹھوں پر جایا کرتے تھے مگر کوٹھوں پر جانے میں بھی ایک شان ہوتی۔ شہر میں دھوم مچ جاتی تھی کہ فلاں صاحب نے سب سے مہنگی طوائف کو سب سے مہنگے داموں خریدا ہے۔ یہ چرچا سن کر لوگ حیران ہوتے تھے مگر قدردان بھی ہوتے تھے۔ ان پر کیچڑ اچھالنے کے بجائے ان کی حسن ذوق کو سمجھتے تھے۔ حسن نظر کی داد دیتے تھے کہ کیسے حسن کا انتخاب کیا ہے۔ مگر آج کل تو ڈوم چمار بھی کوٹھوں پر جانے لگے ہیں۔ اب وہ عزت نہیں رہی۔

عیاشی اس حد تک کرنی چاہیے کہ عزت پر حرف نہ آئے۔ انہوں نے زرینہ سے

www.pklibrary.net

پہلے کتنی ہی عورتوں اور لڑکیوں سے سمندر کے جھاگ والا عشق کیا تھا...... ملک کے کتنے ہی صوبوں' دیہاتوں اور شہروں تک ان کے خون کے چھینٹے بکھرے۔ بھلا ایسے میں خون کا حساب کہاں رکھا جا سکتا ہے۔ وہی ایک کم بخت زرینہ خون کا حساب لے کر آئی تھی مگر وہ تنہا خوب صورت سی عورت ان کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔

اگر سرکاری طور پر ہر مرد کے ساتھ ایک ایسا میٹر لگا دیا جاتا کہ خون کے ایک ایک قطرے کا حساب ملتا رہے تو مردم شماری کے دوران یہ بات سامنے آجاتی کہ ایک ایک مرد کی کتنی اولادیں کتنی دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ خون کی اپنی کشش ہوتی۔ میٹر کے ذریعے صحیح پہچان ہو سکتی ہے کہ انسانوں کی بھیڑ میں ہم جن لاوارث بچوں کے قریب سے گزر گئے ہیں' دراصل وہ ہمارے ہی خون کے چھینٹے ہیں۔

ہمیں اپنے پیچھے بہنے والی غلاظت نظر نہیں آتی' سامنے کی صفائی اور پاکیزگی بھلا دیتی ہے۔ میرا میر خان اپنے سامنے اجلی اجلی نکھری سی افشاں کو دیکھ کر خوش ہوتے رہتے تھے۔ افشاں کے بعد جو دو بیٹے تھے' وہ بھی رفتہ رفتہ عمر کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ایک باپ کے فرض کو سمجھتے ہوئے وہ اولاد کو سمجھاتے تھے۔

"میرے بچو! اگر انسان کی زندگی میں عزت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آج کل دولت جو سب سے مہنگی چیز سب سے سستے داموں خریدتی ہے' وہ عزت ہے۔ لہٰذا دولت کو حاصل کرنے اور اسے بچا کر رکھنے کے طور طریقے سیکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنی ماں اور بہنوں کو اپنی غیرت سمجھو' خاندان کی عزت' عظمت اور شہرت اسی طرح قائم رہتی ہے کہ پہلے ہم دولت کی حفاظت کریں اور اس دولت سے عزت کی دیوار اٹھاتے رہیں۔"

ایک ہی ملک میں اور ایک ہی شہر میں عزت کے متعلق مختلف نظریات ہوتے ہیں۔ دوسرے علاقے میں زرینہ بھی اپنی بیٹی آمنہ کو عزت کی اہمیت سمجھاتی تھی مگر اس کی نصیحتوں میں دولت کا ذکر نہیں آتا تھا۔ کھانے کے لیے اونچی حویلیوں میں چینی کے برتن اور جھگیوں میں تام چینی کے برتن استعمال ہوتے ہیں۔ تہذیب کے ایسے ہی برتن میں عزت کو اپنے طور پر لقمے کی طرح چبایا جاتا ہے۔'

جب اس نے آمنہ کو جنم دیا تھا تو اپنے محلّہ میں اس کی کوئی عزت نہیں رہی تھی۔ وہ

www.pklibrary.net

بدنام ہو کر دور ایک اجنبی محلے میں آگئی تھی۔ وہاں یہ بات بن گئی تھی کہ آمنہ کا باپ مر چکا ہے۔ اس بے چارے کا نام میرا میر خان تھا۔ زرینہ محلے کی عورتوں سے کہا کرتی تھی کہ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اب آمنہ کے ایک چچا بحرین سے اس کے لیے پیسے بھیجا کرتے ہیں۔

یہاں عزت کو برقرار رکھنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ کیوں کہ بدنامی کی مکھیاں اڑانے کے لیے وہاں دولت کا سہارا نہیں تھا۔ آمنہ بھی جوان ہو کر یہی سمجھتی رہی کہ وہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھی۔ زرینہ اپنی بیٹی کو بھی یہ نہ بتا سکی کہ وہ جوانی میں کبھی ٹھوکر کھا چکی ہے اور اس انتظار میں اس نے شادی نہیں کی ہے کہ ٹھوکر مارنے والے کو کبھی تو اس کی محبت اور وفا کا یقین آئے گا مگر جو صاحب حیثیت ہوتے ہیں' وہ اپنی ہی حیثیت کی کسی عورت کی وفا کو سمجھتے ہیں۔ جو عورتیں کچرے کی طرح جھاڑو دے کر پھینک دی جاتی ہیں۔ ان کی طرف دیکھنے کی انہیں فرصت نہیں ملتی۔

مگر دو باتیں ایسی تھیں جو اس کی امید بندھاتی رہتی تھیں۔ انسان تہذیب کی ابتدا سے یہ کہتا آیا ہے کہ اپنا لہو ضرور پکارے گا۔ یہ بات بھی سنتے سنتے کان پک گئے کہ وفا رنگ لاتی ہے۔ اب اس دنیا سے گزرنے والے جھوٹ بول کر تو نہیں گئے ہوں گے۔ موجودہ دور میں ان سچائیوں کو پرکھنے کے لیے زرینہ جی رہی تھی۔

○☆○

آمنہ اسکول سے نکل کر کالج میں داخلہ لینے والی تھی۔ اس نے داخلے کا فارم پر کرنے کے بعد اپنی ماں سے کہا وہ اس کے ساتھ کالج تک چلے۔ مگر زرینہ پچھلی تمام رات بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ اس لیے بیٹی کے ساتھ نہیں جا سکی۔ اسی وقت میرا میر خان کا ملازم پندرہ سو روپے لے کر آگیا۔ جب سے آمنہ جوان ہوئی تھی پندرہ سو آنے لگے تھے۔ زرینہ نے اس سے پیسے لینے کے بعد کہا۔

"دینو بابا۔ تم آمنہ کو رکشا دلا دو۔ یہ کالج میں داخلے کے لیے جا رہی ہے۔"

کالج گلبرگ کے علاقے میں تھا۔ میرا میر خان کی کوٹھی بھی گلبرگ میں تھی۔ دینو بھی اس کے ساتھ رکشے میں بیٹھ گیا تاکہ کوٹھی تک بس میں نہ جانا پڑے۔ رکشے میں بیٹھی ہوئی آمنہ کالج کے فارم پر نظر ثانی کر رہی تھی کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔ فارم

www.pklibrary.net

اردو میں پر کیا گیا تھا۔ دینو اردو میں فلمی گانوں کی کتابیں پڑھ لیا کرتا تھا اس کی نظر فارم پر گئی تو وہاں پر اس نے آمنہ کے باپ کا نام میرا میر خان پڑھا اس کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ بوڑھا نادان تو نہیں تھا۔ بیس برس سے بلاناغہ میرا میر خان کے ہاتھوں سے پیسے لیتا تھا اور زرینہ کے ہاتھوں تک پہنچاتا تھا۔ کوئی دولت مند آدمی اتنی بڑی رقم یوں ہی نہیں دیتا۔ دال میں کچھ کالا تھا اور وہ کالا دھبا کالج کے فارم پر نظر آنے کے بعد سمجھ میں آگیا تھا۔

کالج کے گیٹ پر جب رکشا پہنچا تو افشاں کار ڈرائیو کرتی ہوئی کالج کے احاطے میں داخل ہو چکی تھی۔ آمنہ رکشے کا کرایہ ادا کر کے جانے لگی۔ دینو چپ چاپ کھڑا ان دونوں لڑکیوں کو دیکھتا رہا۔ بہت سے رشتے اور چہرے پہچانے جا رہے تھے۔ جب وہ اپنے گھر میں پہنچا تو اس کا پیٹ پھول رہا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

دینو نے اپنے پیٹ کو دباتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہ پوچھو' بڑے عجیب تماشے دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

اس کی بیوی نے چڑ کر کہا۔

"تمہاری تو پرانی عادت ہے۔ راستے میں جہاں مداری کا تماشہ ہوتا ہے' دیکھنے کھڑے ہو جاتے ہو۔"

"اری یہ راستے کے مداریوں کا تماشا نہیں ہے۔ یہ دولت مند مداریوں کا تماشا ہے یہ جو ہمارے صاحب ہیں نا۔ نہیں کچھ نہیں' جانے دو۔"

"کیا جانے دوں۔ آدھی بات منہ میں' آدھی پیٹ میں رکھتا ہے۔ سچی سچی بتا کیا بات ہے؟"

عورت بھلا ادھوری بات سن کر چین سے بیٹھتی ہے۔ وہ سر ہو گئی۔ دینو نے کہا۔

"دیکھ میں اپنے صاحب کا نمک کھاتا ہوں۔ میں ان کا کوئی راز تجھے نہیں بتا سکتا۔ عورت کے پیٹ میں بات نہیں رہتی ہے۔"

"ارے تیرا میرا پیٹ کیا الگ ہے؟ چل جلدی سے بتا نہیں تو میرا مرا منہ دیکھے گا۔"

وہ بڑھاپے میں اپنی بیوی کا مرا منہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا' بڑے رازدارانہ انداز میں

www.pklibrary.net

کہنے لگا۔

"وہ جو زرینہ ہے نا' جس کے پاس میں ہر ماہ پیسے پہنچایا کرتا ہوں۔ دراصل وہ صاحب کی داشتہ ہے۔ آمنہ صاحب کی بیٹی ہے۔ یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے۔"

"ارے میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی پر عزت بھی کیا چیز ہے ہم صاحب کی عزت رکھیں گے تو ہماری عزت بھی رہے گی۔ اسی لیے میں منہ سے کچھ نہیں بولتی تھی۔"

"اب بھی کچھ نہ بولنا۔ بس یہ سمجھ لے کہ تو کچھ بھی نہیں جانتی ہے۔"

یہ کیسے ممکن ہے' جن کے سینے میں معلومات کا خزانہ ہوتا ہے۔ وہ اس خزانے کو مفت لٹاتے ہیں۔

دینو کی بیوی کو خیال آیا کہ اس کی ایک بہن جو زرینہ کے محلے میں رہتی ہے۔ اس کی خیریت کئی دنوں سے معلوم نہیں کی ہے۔ ایک گھنٹے بعد ہی وہ بہن کی خیریت پوچھنے چلی گئی۔

ایک گھنٹے بعد افشاں اپنی کوٹھی میں واپس آئی تو اس نے اپنے ڈیڈی کو بڑی گرما گرم خبریں سنائیں پہلی خبر تو یہ تھی کہ اس کالج میں بڑی مشکل سے داخلہ ملتا ہے۔ لڑکیاں بڑے اونچے اونچے لوگوں کی سفارشیں لے کر آئی تھیں لیکن جب افشاں نے بتایا کہ وہ میرا میر خان صنعت کار کی بیٹی ہے تو کالج کی پرنسپل اس سے مرعوب ہو گئی۔

میرا میر خان اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے فخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے بیٹی کی باتیں سن رہے تھے۔ بیٹی نے چہک کر کہا۔

"ڈیڈی' ایک اور مزے کی بات ہے۔ ایک اور لڑکی بھی اپنے باپ کا نام میرا میر خان بتا رہی تھی۔"

میرا میر خان کے منہ پر ایک پتھر آ کر لگا مونچھوں کے سائے میں مسکراہٹ دب کر رہ گئی۔ بیٹی نے باپ کی بجھتی ہوئی مسکراہٹ کو محسوس نہیں کیا وہ روانی میں بولتی جا رہی تھی۔

"مگر اس کا باپ مر چکا ہے۔ اگر زندہ ہوتا تب بھی آپ کی طرح اتنا بڑا آدمی نہ ہوتا کہ لوگ نام سنتے ہی مرعوب ہو جاتے۔ کیوں ٹھیک ہے نا ڈیڈی؟"

"آں..... ہاں......" وہ بیٹی کے سوال سے الجھ گیا۔ "افشاں' تم ایسی لڑکیوں کو گفتگو

www.pklibrary.net

کا موضوع نہ بنایا کرو' جو ایک معیاری کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتی ہیں۔ میں نے تمہیں اس کالج میں پڑھنے کا مشورہ اسی لیے دیا تھا کہ اس میں کم حیثیت والوں کی گنجائش نہیں رہتی۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر' باز با باز۔ کبوتر کی حیثیت نہیں دیکھتے۔ اپنی حیثیت نہیں دیکھتے۔ اپنی حیثیت سے اونچا نام رکھ لیتے ہیں۔ اس کے باپ کو میرے ہی ڈیڈی کا نام ملا تھا۔ اونہہ......"

میرا میر خان کا نام دوسری بیٹی کے پاس پہنچ کر صرف "اونہہ" بن گیا تھا۔ افشاں نے اس انداز میں اونہہ کہا تھا جیسے ایک غریب بیٹی کے باپ کے نام پر تھوک رہی ہو۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ تھوک کہاں پہنچ رہا ہے۔ میرا میر خان نے چہرے کو رومال سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"بیٹی کوئی دوسری بات کرو۔"

"دوسری بات کیا کروں۔ جب نچلے طبقے کے لوگ اونچے طبقے کی طرف آنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں تو بار بار ہم سے سامنا ہوتا ہے۔ جب میں کالج سے باہر آئی تو ایک نوجوان نے اپنی کار لا کر میری کار کے سامنے کھڑی کر دی۔ کیا بتاؤں ڈیڈی کہ کیسی چیپٹر سی کار تھی۔ اس کے باپ دادا کے زمانے کا ماڈل ہوگا۔ میری ائر کنڈیشنڈ مرسیڈیز کے سامنے بالکل ٹوٹی پھوٹی جھگی کی طرح نظر آتی تھی۔ اس پر وہ ایسے اترا رہا تھا جیسے کوئی رئیس زادہ ہو۔ کالج کے احاطے میں بڑا ہیرو بنا پھر رہا تھا۔ میں نے اپنی کار میں بیٹھ کر ہارن دیا کہ وہ سامنے سے اپنی کار ہٹالے مگر وہ دور کھڑا انجان بنا رہا پھر بڑا مزہ آیا۔

بیٹی کی شوخیاں دیکھ کر باپ نے دلچسپی لی۔

"اچھا! کیسے مزا آیا' میں بھی تو سنوں۔"

"مجھے پھر غصہ آگیا۔ میں نے سوچا کہ اسے اس کی حیثیت کا احساس دلانا چاہیے میں نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کی اور اس کی کار سے ٹکرا دی۔ ہائے کیا بتاؤں ڈیڈی' میری کار کو تو بہت کم نقصان پہنچا۔ مگر اس کی گاڑی کا اگلا حصہ پچک گیا۔ وہ پرانی جھگی کی طرح اکھڑ کر دور چلی گئی۔ وہ دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور غصے میں کہنے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ تم نے میری گاڑی کو برباد کر دیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "وہ آباد کب تھی۔ ایک تو کھٹارہ چلاتے ہو۔ دوسرے پارکنگ کا

www.pklibrary.net

طریقہ بھی نہیں جانتے۔ میں کتنی دیر سے ہارن دے رہی ہوں مگر تم دور کھڑے سنتے رہے۔ اب کیوں بھاگے آئے ہو۔"

اس نے میری کار کو مکہ مارتے ہوئے کہا "میں ہرجانہ وصول کرنے آیا ہوں۔"

میں نے اپنا پرس کھول کر سو سو کے دو نوٹ نکالے اور بھیک کی طرح اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ لو۔ اگر کار کی مرمت کے بعد پیسے بچ جائیں تو اپنی دوسری ضرورتیں پوری کر لینا اور کم پڑ جائیں تو اس پتے پر آ جانا' میرے ڈیڈی آئے ہوئے سوالی کو مایوس نہیں کرتے۔ میں نے اسے اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا پھر کار اسٹارٹ کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ وہ حیران سا میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کیوں ڈیڈی' اسے اپنی حیثیت کا پتہ چل گیا ہو گا نا؟"

"یو آر اے بریلینٹ بے بی! دوسروں کو خیرات دے کر ہی انہیں یہ سمجھایا جاتا ہے کہ خیرات ہمیشہ اوپر سے آتی ہے اور نیچے والوں کی طرف جاتی ہے اگر وہ سمجھدار ہو گا تو اب کبھی بلندی کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔"

افشاں کی ممی اپنے کمرے سے نکل کر ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے چڑ کر کہا۔

"آپ بیٹی کو یہ سمجھا رہے ہیں۔ یہ نہیں سمجھاتے کہ آج کل کے لڑکوں کے منہ نہ لگے۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے اگر وہ بدمعاشی پر اتر آتا تو......؟"

"تو میں اسے حوالات میں بھجوا دیتا۔ اسے کالج سے نکلوا دیتا۔ جب ہمارا سکہ کھوٹا نہیں تو پھر ہم دنیا والوں سے کیوں ڈریں؟"

افشاں کھرے سکے کی طرح چمکتی دمکتی اور وہاں سے اٹھ کر بل کھاتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس سکے میں ذرا سا کھوٹ پیدا ہو گیا۔ باپ کو جو کہانی سنائی تھی اس میں ذرا سی تبدیلی آ گئی۔ وہ فوم کے بستر پر گرتے ہی اس نوجوان کے متعلق سوچنے لگی۔

"وہاٹ اے ڈیشنگ پرسنلٹی! وہ میرے ساتھ کتنا جچ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کالج میں میرے لیے ہی بھیجا گیا ہے۔ کسی بھونرے کی سی سیاہ بڑی بڑی روشن آنکھیں تھیں۔ وہ

www.pklibrary.net

نگاہیں کتنی دیر تک میرے حواس پر منڈلاتی رہی تھیں۔ چہرے پر مردانگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پہلے تو میں نے ہارن دے کر اسے مخاطب کرنا چاہا مگر وہ دور کھڑا اس لڑکی سے باتیں کرتا رہا جس کا نام آمنہ تھا۔ جس کا باپ میرے ڈیڈی کا ہم نام تھا۔ ایسا خوبرو جوان کیسی دبلی پتلی لڑکی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ خدا نے حسن دیا ہے مگر اچھا ذوق نہیں دیا۔ ڈیڈی کے سامنے میں یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ مجھے نظرانداز کر رہا تھا۔ میں یہ انسلٹ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ جب اس نے توجہ نہیں دی تو مجبوراً مجھے اپنی گاڑی اس کی گاڑی سے ٹکرانا پڑی۔ میرا کیا بگڑا میں تو کل ہی نئی کار خرید لوں گی۔"

خریدنے کی بات آئی تو وہ کچھ مرجھا گئی۔ کیوں کہ وہ خرم کو نہیں خرید سکتی تھی۔ اس نوجوان کا نام خرم تھا۔ پھر بھی اس نے اپنے طور پر کوشش کی تھی۔ گاڑی کی مرمت کے بہانے اس نے اپنے پرس سے بڑے بڑے نوٹ نکال کر دیے تھے۔ اور اس پر اپنی امارت کا رعب جمایا تھا کہ مزید رقم کی ضرورت ہو تو وہ دوسرے دن کالج آکر اس سے مل سکتا ہے۔ اس نے بڑی بے نیازی سے کہا تھا۔

"میں تم سے بھیک نہیں لے رہا ہوں۔ تم نے میری گاڑی کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ نقصان تمہارے ہی پرس سے پورا ہوگا۔ اس لیے میں یہ روپے لئے جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آمنہ کی طرف چلا گیا۔ مغرور کہیں کا۔ وہ غصے سے ہونٹ چبانے لگی۔ غصہ اس مغرور پر نہیں آرہا تھا۔ مرد ذرا مغرور ہو تو اچھا ہی لگتا ہے۔ غصہ تو اس لڑکی پر آرہا تھا جسے کالج میں داخلہ نہیں ملا تھا لیکن خرم کے دل میں داخلہ مل گیا تھا۔ کوئی اپنی حیثیت کی لڑکی بازی لے جانا چاہتی تو اس کے ساتھ سرمایہ داری کی جنگ میں مزہ آتا۔ خرم کے لیے بڑی بڑی بولیاں دی جاتیں اور بلاشبہ وہ جیت جاتی۔ مگر نجانے کیا دیکھ کر اس لڑکی کی طرف جھک رہا تھا۔ وہ خود کو تسلیاں دینے لگی کہ شاید اس سے معمولی جان پہچان ہوگی۔ آج تو پہلا دن تھا کل سے دیکھا جائے گا۔ اب تو آمنہ دوبارہ نہیں آئے گی۔ اس کی حیثیت ہی کیا ہے کہ اسے داخلہ ملے گا۔

اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ ہاں کل دیکھا جائے گا۔

دینو کی بیوی اپنی بہن سے ملنے گئی تھی وہاں پہنچ کر اپنے گھر کی باتیں کرتی رہی۔ اسے دوسروں کے ذکر سے کیا لینا تھا مگر باتوں میں ہی باتوں میں اس کی بہن نے زرینہ کا ذکر چھیڑ دیا

www.pklibrary.net

کہ وہ بڑی لگن سے اپنی بیٹی کو پڑھا رہی ہے۔ بیٹی سے ایسی محبت ہے کہ اس کی خاطر اس نے دوسری شادی نہیں کی۔

"یہ لو جسے بڑے بڑے دولت مند مل جائیں بھلا وہ شادی کر کے ایک ہی مرد سے کیوں چپکی رہے گی۔"

دینو کی بیوی کی زبان بے اختیار چل پڑی تھی۔ وہ زرینہ کی دشمن نہیں تھی مگر زبان کو کیا کہا جائے وہ خود بخود چل پڑتی ہے۔ اس کی بہن کا تجسس بڑھ گیا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"اے آپا۔ کیا تم زرینہ کو الزام دے رہی ہو؟"

"نہیں، میں کسی کو الزام دینا نہیں چاہتی۔ بس ایسے ہی میرے منہ سے بات نکل گئی۔"

جب بات منہ سے نکل ہی گئی ہے تو اسے نہ چھپاؤ تمہیں میری قسم، نہیں بتاؤں گی تو میرا مرا منہ دیکھو گی۔"

وہ اپنی بہن کا مرا منہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے مجبوراً سب کچھ بتانا پڑا۔ بعد میں یہ قسم دلا دی کہ ان کے صاحب میرا میر خان کا نام زبان پر نہ آئے چھوٹے لوگوں کی کیا عزت ہوتی ہے۔ بڑے صاحب کی عزت جائے گی تو ہم بھی روزی روٹی سے جائیں گے۔

دینو کی بیوی قسمیں دے کر چلی گئی مگر اس کی بہن کے پیٹ سے بھوک اڑ گئی۔ جب تک پیٹ سے وہ بات نہ نکلتی اس وقت تک وہاں روٹی نہیں سما سکتی تھی مگر اس نے اپنی آپا کے سامنے قسم کھائی تھی کہ کسی کے سامنے کچھ نہیں کہے گی۔ لہٰذا وہ چولھے کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اور پیٹ ہلکا کرنے کے لیے دیوار کے سامنے بڑبڑانے لگی۔ بڑبڑانے کے بعد ادھر کا پیٹ ہلکا ہو گیا۔ لیکن دیوار کے دوسری طرف پڑوسن کے پیٹ میں کھد بد ہونے لگی۔ شاید ایسے ہی وقت کے لیے کہا جاتا ہے کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔

بیس برس سے جو بات چھپی ہوئی تھی اسے اچانک ہی پر لگ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ایک گھر سے دوسرے گھر اڑتی چلی گئی۔ سب نے ایک دوسرے سے یہی کہا کہ وہ دوسرے سے کچھ نہ کہیں اور وعدوں اور قسموں کے مطابق سب ہی نے کسی سے کچھ

www.pklibrary.net

نہیں کہا۔ غبارے کے کسی بھی حصے میں ایک ننھا سا سوراخ ہو جائے تو ہوا خود بخود نکلتی چلی جاتی ہے۔

شام کو آمنہ اپنے محلے میں واپس آئی تو بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ محلے کی گلیوں سے گزرتے وقت اس کی خوشیاں ماند پڑ گئیں۔ وہاں کے لوگ کچھ بدلے بدلے سے نظر آ رہے تھے۔ ایک بچے نے اسے دیکھ کر کہا۔

"باجی سلام"

اس کی ماں نے بچے کو دروازے کے اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"چل بڑا آیا باجی کا بچہ۔ ایسوں کو سلام نہیں کیا جاتا۔"

اس سے پہلے کہ آمنہ کچھ سمجھتی۔ اس گھر کا دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا۔ بالکل طمانچہ مارنے کے انداز میں دروازہ بند ہو گیا تھا۔ آمنہ کو اس عورت کی حرکت بہت بری لگی۔ وہ کچھ پوچھنے کے بجائے آگے بڑھ گئی۔ دور جا کر ایک مکان کے سامنے وہ ٹھٹک گئی۔ وہاں ایک عورت اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی۔

"جانو کے ابا ذرا خرم کے پاس جا کر یہ خط پڑھوالو۔"

آمنہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ماسی' تمہارے بیٹے کے پاس سے آنے والا خط تو میں پڑھا کرتی ہوں۔ لاؤ میں پڑھ کر سنا دیتی ہوں۔"

ماسی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"تم دور ہی رہو۔ میرے گھر میں ایک جوان بیٹی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہارا سایہ اس پر پڑے۔"

"ماسی' یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟"

وہ چند لمحوں تک حیران اور پریشان سی ماسی کو تکتی رہی۔ تمام محلے کے مرد عورتیں اور بچے ہمیشہ اس کی عزت کرتے تھے۔ زندگی میں پہلی بار کوئی حقارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکی وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ گھر میں اندھیرا تھا۔ اس نے سرشام کبھی اپنے گھر میں اندھیرا نہیں دیکھا تھا۔ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی بتی جلا دی جاتی تھی۔ اس نے گھبرا کر ماں کو آواز

www.pklibrary.net

دی۔ دوسرے کمرے سے اس کی مردہ سی آواز سنائی دی۔

"میں یہاں ہوں' آجاؤ۔"

اس نے اندھیرے میں سوئچ بورڈ ٹٹولتے ہوئے ایک سوئچ آن کیا پھر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں ماں کے پاس آئی۔

"بیٹی روشنی نہ کرنا میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"امی محلے والوں کو کیا ہو گیا ہے کوئی سیدھے منہ بات نہیں کر رہا ہے۔ ماسی نے مجھے ایسی بات کہی ہے جو گالی کے برابر ہے۔"

نیم تاریکی میں زرینہ کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

"ہاں بیٹی' جس گالی کو میں برسوں سے چھپائے ہوئے تھی پتہ نہیں وہ کس کے منہ سے نکل کر محلے والوں کی زبان تک پھیل گئی ہے۔"

آمنہ اس کے قریب آکر بستر پر بیٹھ گئی۔

"امی آپ اس طرح الجھی ہوئی باتیں نہ کریں میں بری طرح الجھ رہی ہوں۔ آپ مجھے صاف صاف بتائیں کیا بات ہے؟"

چند لمحوں تک ماں بیٹی کے درمیان زہر آلود خاموشی چھائی رہی۔ نیم تاریکی میں وہ یوں مٹی مٹی سی نظر آرہی تھی۔ جیسے حالات اب انہیں مٹانے پر تل گئے ہوں۔ پھر زرینہ ندامت سے ہچکچاتے ہوئے اس کے سامنے اپنے ماضی کے ورق الٹنے لگی۔ آمنہ سن رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ اس کا باپ جو مردہ تھا' اب زندہ ہو گیا ہے۔ ان سے دور وہ زندہ رہ کر عزت کی زندگی گزار رہا ہے۔ اور اس کی وہی عزت یہاں مٹی میں مل گئی ہے۔ مگر میرا میر خان پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس محلے کے غریب لوگ صرف اپنے ہی جیسے غریب لوگوں کی بے عزتی کرنا جانتے تھے۔ اسی لیے رسوائیاں اور بدنامیاں صرف چھوٹے لوگوں میں سنائی دیتی ہیں۔ بدنامی کے پر اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ وہ کسی میرا میر خان کی بلندی تک پرواز نہیں کر سکتے۔ زرینہ نے تھکے ہوئے انداز میں ایک گہری سانس لی پھر بیٹی سے کہا۔

"تجھے جنم دینے کے بعد اسی لیے میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ کسی مرد کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ دنیا والے میری شرافت کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ مگر بیٹی جوان ہو گی

www.pklibrary.net

تو میری پچھلی تمام زندگی کو پڑھ کر یہ سمجھ لے گی کہ اس کی ماں کوئی ویشیا عورت نہیں تھی۔ میرا میر خان کے بعد جذبات میں اندھی ہو کر میں نے کسی کو موقع نہیں دیا کہ وہ مجھے بدنام کر سکے۔ میں اس محلے سے کبھی باہر نہیں گئی۔ اس گھر میں ویٹو بابا کے سوا کسی مرد نے قدم نہیں رکھا۔ اسی طرح میں نے خود کو سزا بھی دی اور اپنی وفا کو بھی آزمایا کہ شاید تیرا باپ میری مستقل مزاجی دیکھ کر کبھی پگھل جائے۔ مگر اونچی نسل کا موم اونچی عورتوں کی حرارت سے پگھلتا ہے۔ میں تیرے لیے تیرے باپ کو واپس نہ لا سکی۔ میں ہار گئی ہوں میری بچی......"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...... اس سے لپٹ گئی۔ پھر وہ بھی روتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ روتی کیوں ہیں امی۔ آنسو پونچھ لیجیے۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں ایک باپ کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کروں گی۔ میرے ابو بہت خراب ہیں نا؟؟"

یہ کہتے ہی وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ لڑکیاں باپ پر جان دیتی ہیں۔ پھر ایسا باپ جو دوبارہ جی اٹھا ہو۔ اس کے لیے اس کا دل کیسے مچل رہا ہو گا۔ جذبات زبان پر نہیں آئے تو اس کی آنکھ سے آنسو بن کر بہہ نکلے۔ دونوں ماں بیٹی دیر تک روتی رہیں۔ دیر تک ایک دوسرے کے آنسو پونچھنے کے لیے اتنی بڑی دنیا میں کوئی تیسرا تھا' مگر نہیں تھا۔

رونے کے دوران آمنہ کا ذہن دور دور تک بھٹک رہا تھا۔ ان کا ذہن افشاں کی طرف بھی گیا۔ وہ اچانک ہی ماں کے سینے سے الگ ہو کر بولی۔

"امی۔ آج ہمارے کالج میں ایک رئیس زادی بہت بڑی کار میں بیٹھ کر آئی تھی۔ اتفاق سے اس کے باپ کا نام بھی میرا میر خان تھا۔"

زرینہ کی آنکھیں تر تھیں مگر حلق خشک تھا۔ اس نے اٹکتے اٹکتے پوچھا۔

"کیا اس کا نام افشاں ہے؟؟"

"ہاں۔" آمنہ نے چونک کر پوچھا۔ "کیا آپ اس لڑکی کو جانتی ہیں۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نام افشاں ہے؟؟"

"مجھے معلوم ہے۔ وہ تیری سوتیلی بہن ہے۔ تیرے باپ کی عزت دار بیٹی ہے۔"

یہ سنتے ہی آمنہ رونے لگی۔ زرینہ نے پوچھا۔

www.pklibrary.net

"اب کیوں رو رہی ہے؟"

"امی اس لڑکی نے ابو کا نام لیا تو اسے فوراً داخلہ مل گیا۔ یہ کیسی دنیا ہے امی۔ اسی نام سے مجھے داخلہ نہیں ملا۔"

"بس یہ ایسی ہی دنیا ہے بیٹی۔ یہاں لوگوں کو جب بھی موقع ملتا ہے۔ اپنی شہرت کو' اپنی عزت کو اور اپنے نام کو شرافت کے ترازو میں تولتے وقت وہ ڈنڈی مار دیتے ہیں۔ جب تیری بات آئی ہے تو' تول کے اس شریفانہ نظام میں ڈنڈی مار دی گئی۔ اب تو یہ زندگی بھر کا رونا ہے۔ تو اپنی بات کر کیا تجھے داخلہ نہیں ملا؟"

"ہاں امی۔ وہاں بڑی بڑی لڑکیاں بڑے بڑے لوگوں کی سفارشیں لے کر آئی تھیں میں مایوس ہو کر واپس آنے لگی تو خرم نے مجھے روک کر داخلے کے متعلق پوچھا۔"

"کون خرم؟"

"وہی جو ہمارے محلے میں رہتا ہے۔ ہماری گلی کے آخری سرے پر موٹروں کی مرمت کا جو چھوٹا سا کارخانہ ہے' وہ کارخانہ بھی چلاتا ہے اور وہاں تھرڈ ایئر میں پڑھتا بھی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اسٹوڈنٹ یونین کا صدر بھی ہے۔ اپنی یونین کے سہارے وہ میری سفارش کرے گا اور مجھے داخلہ دلائے گا۔ اس نے میرے تمام کاغذات لے لیے ہیں....."

"خرم بہت اچھا لڑکا ہے۔ مگر ایک نوجوان لڑکے سے تجھے نہیں ملنا چاہیے۔"

"وہاں تو لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ میں اس سے نہیں ملوں گی۔ تب بھی وہ ملتا رہے گا۔ کالج میں اس کی بہت شہرت ہے امی۔ پروفیسر اور پرنسپل وغیرہ سبھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے ذریعے مجھے داخلہ مل جائے گا۔"

زرینہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یہ..... یہ جو نوجوان ہوتے ہیں یہ اسی طرح کام آکر دوستی بڑھاتے ہیں۔ ایک بار میری ماں ہسپتال میں سخت بیمار تھی اسے دو بوتل خون کی ضرورت تھی۔ میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ تیرے باپ نے پہلی بار میری مدد کی اور مجھے متاثر کیا۔ پھر وہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے۔ یہ میں نہیں بتا سکتی صرف ایک سوال کرتی ہوں۔ تو میری غلطی کو نہیں دہرائے گی نا؟"

www.pklibrary.net

"نہیں امی کبھی نہیں......"

اس نے جھک کر ماں کے سینے پر سر رکھ دیا۔ دوسرے لفظوں میں اپنے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت کو ماں سے چھپا لیا۔ خرم نے تو پہلی ہی ملاقات میں دل جیت لیا تھا۔ زبان سے انکار کرنے کے بعد دل سے کیسے انکار کر سکتی تھی کہ وہ اس نوجوان سے متاثر نہیں ہوئی۔

آمنہ کو اس کالج میں داخلہ مل گیا۔ اس کے لیے وہ خرم کی احسان مند تھی۔ وہ تھرڈ ائیر کا طالب علم تھا۔ یہ فرسٹ ائیر میں افشاں کے ساتھ کلاس میں بیٹھتی تھی اور افشاں کو روز روز نئے ہیئر اسٹائل اور نئے لباس میں دیکھتی تھی۔ خرم سے پہلے ٹکراؤ میں اس کی مرسیڈیز کار کا اگلا حصہ ذرا سا خراب ہوگیا تھا۔ جس کی با آسانی مرمت کی جا سکتی تھی لیکن اس کار کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ اس کی جگہ ایک نئی کیڈیلاک خرید لی تھی۔

آمنہ کو کالج جانے کے لیے اکثر بس میں بھی جگہ نہیں ملتی تھی۔ محلے کے باہر ایک بس اسٹاپ پر خرم اپنی کھٹارہ لیے کھڑا رہتا تھا۔ پہلی مرتبہ آمنہ کو بس اسٹاپ پر تنہا دیکھ کر اس نے قریب آکر کہا۔

"میری گاڑی ٹھیک ہوگئی ہے حالانکہ افشاں نے زبردست ٹکر ماری تھی۔ یہ مغرور لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ ان کی بڑی بڑی کاروں کی زد میں آکر ہم اپاہج بن جائیں گے۔ مگر دیکھ لو یہ زیادہ تیز دوڑ تو نہیں سکتی مگر ہمیں کالج تک پہنچا سکتی ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"آپ میرے محسن ہیں۔ میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی مگر مجھے ڈر لگتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔"

جو لوگوں سے ڈر کر زندہ رہتے ہیں وہ اسی طرح غریب محلوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ مجھے دیکھو کس طرح حالات سے جنگ کر رہا ہوں۔ موٹروں کی مرمت کا ایک کارخانہ کھول رکھا ہے، کالج میں بھی پڑھتا ہوں۔ اسی طرح محنت کرتے کرتے ایک ایسی خوش گوار زندگی بنانا چاہتا ہوں جس میں انسان کی تھوڑی تھوڑی سی ہر خوشی آتی جاتی رہے اور ہماری چھوٹی چھوٹی سی آرزوؤں کی تکمیل کرتی رہے۔ جب تک ہم اپنے حالات

www.pklibrary.net

سے جنگ نہیں کریں گے ہمیں کچھ نہیں ملے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

آمنہ کا دل چپکے چپکے دھڑکنے لگا۔ وہ دل دھڑکنوں کی زبان میں اس پوچھنے لگا۔ کیا تو ایسی ہے کہ کوئی تجھ سے ضروری باتیں کرنے کے لیے ایسا موقع تلاش کرے؟ ایک مرد کی زبان سے ایسی باتیں سن کر کسی قدر اپنی اہمیت کا احساس ہوجاتا ہے کل سے محلے والے اس کی اہمیت گرا رہے تھے۔ اب تھوڑی اہمیت کہیں سے مل رہی تھی تو وہ کیسے انکار کرسکتی تھی۔ اپنی قدر آپ سمجھنے کے لیے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

خرم نے گاڑی اسٹارٹ کی تو وہ گاڑی پہلے بھیانک انداز میں چیختی ہوئی آگے پیچھے ڈگمگائی۔ آمنہ کی طرح آگے بڑھنے سے ہچکچاتی رہی۔ پھر دائیں بائیں ڈولتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ خرم نے کہا۔

"یہ گاڑی ہماری اور تمہاری زندگی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اپنے بڑوں سے ٹکرا کر پچک جاتی ہے۔ بڑے بڑے لوگ ہماری خوب صورتی برداشت نہیں کرسکتے۔ اسی لیے ایک ہی ٹکر میں بد صورت بنا دیتے ہیں۔ پھر اس بدصورتی کو چھپانے کے لیے اپنے پرس سے روپے نکال کر دیتے ہیں۔ کل سے محلے میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ تمہیں بھی چھپانے کے لیے کوئی ہر ماہ پیسے دیا کرتا ہے۔ یہ جو میری کھٹارہ ہے نا یہ ہماری ندگی کی عکاس ہے۔

کوئی آمنہ کے دل کو مٹھی میں لے کر مسلنے لگا۔ اس کی آرزو تھی کہ اس کی زندگی کی کڑوی حقیقت خرم تک نہ پہنچے۔ ساری دنیا میں وہی تو ایک اچھا لگا تھا۔ اس کی ایک نظر میں تو وہ اچھی بن کر رہتی۔ پتہ نہیں وہ اس کی زندگی کے موڑ پر کیسے پہنچ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

دیکھو آمنہ میں نے تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کے لیے یہ بات نہیں چھیڑی تھی۔ میں تو تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ حالات کا مقابلہ کرو۔ بدنامی سے ڈر جاؤ گی تو سر اٹھا کر جینے کے انداز بھول جاؤ گی۔ کل رات میں نے تمہاری خاطر محلے کے کتنے لوگوں سے جھگڑا کیا ہے۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ کیا کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کی خاطر دنیا والوں سے لڑ

www.pklibrary.net

سکے۔ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھوں کے سامنے وہ یقین اور بے یقینی کے درمیان منڈلایا ہوا سا نظر آرہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"محلے کے لوگ تمہیں اور تمہاری ماں کو وہاں سے نکالنے کی بات کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے وہ اس آدمی کو اس دنیا سے نکالیں جس نے آمنہ اور اس کی ماں کو بدنام ہونے کے لیے یہاں چھوڑ دیا ہے۔ مگر تم سب کے ہاتھ اس کے گریبان تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم اس کا محاسبہ کرنے کے لیے اوپر چڑھو گے تو ہانپ جاؤ گے۔ جب ہم ایک کھلونا توڑنے والے کو الزام نہیں دے سکتے تو کھلونے پر الزام رکھتے ہیں کہ وہ ہی کمزور ہے۔ اس دولت مند کو مجرم کہنے کے لیے ایک غریب عورت کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے جو ٹوٹ پھوٹ کر یہاں آئی ہے۔ اسے اور زیادہ توڑنا کہاں کا انصاف ہے۔"

آمنہ سر جھکائے سن رہی تھی۔ اس کی باتوں سے دل کھنچا جا رہا تھا۔ کیا اس دنیا میں انسانی حقوق کا تحفظ کرنے والے انسان بستے ہیں۔ ہاں ضرور خرم ایسا انسان نظر آرہا تھا۔ اونچا پورا سا قد فولادی بازو آہنی ڈھال کی طرح مضبوط سینہ۔ وہ آمنہ کو پیچھے رکھ کر بدنامی کے سارے تیر اپنے سینے پر کھا سکتا تھا۔

"آمنہ باتوں سے سمجھاؤ تو یہ دنیا نہیں سمجھتی کتنے ہی خوب صورت فقرے تراشتے رہو یہ غبی دماغ والے پڑھ کر یا سن کر بھول جاتے ہیں۔ یہ ہمارے جیسے لوگ اپنے دکھوں کو بھلانے کے لیے کسی دوسرے کے دکھوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور ایسی ہی تفریحات میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھایا تو وہ مجھ سے الجھ پڑے۔ جب دو نوجوان میرے ہاتھوں بری طرح پٹ گئے تو میری بات اس طرح سمجھ میں آگئی جیسے استاد کے سامنے بچے مار کھا کر زندگی کا ابتدائی سبق سمجھ لیتے ہیں اور پڑھ لیتے ہیں۔ گھر کی سیاست ہو یا باہر کی سیاست' ہر جگہ ہمارے لوگوں کو جوتے کھا کر سمجھنے کی عادت ہو گئی ہے۔ جب وہ لوگ ذرا ٹھنڈے پڑ گئے تو میں نے ان سے ایک بات کہی۔"

آمنہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ جب کوئی اپنے ہی دل کی اور اپنے تحفظ کی باتیں کرے تو ساری توجہ اور دلچسپیاں کہنے والے کے طرف سمٹ آتی ہیں۔

"میں نے محلے والوں سے کہا کہ جب میں اس محلے میں آیا تو اس وقت پانچ برس کا تھا۔ اس گیراج کے ایک بوڑھے نے پناہ دی۔ اس وقت سے آج تک کسی نے مجھ سے یہ

www.pklibrary.net

نہیں پوچھا کہ میرے ماں باپ کون تھے۔ میرا کوئی باپ تھا یا نہیں؟ اب تو میں چھ فٹ کا جوان ہوں۔ کس کے منہ میں اتنے دانت ہیں کہ وہ میرے باپ کے بارے میں سوال کرے۔ اگر کوئی سوال کرے گا تو میں اس کی گردن ناپ کر کہوں گا کہ جاؤ تم ہی اپنی باپوں کو تلاش کرو۔ جو ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہی اخلاقی موت مر جاتے ہیں۔"

آمنہ پہلی بار اسے بڑی اپنائیت سے دیکھنے لگی۔ خرم کی باتیں اس کے اپنے مزاج اور اپنے حالات کے مطابق تھیں۔ اس لیے وہ اپنی ہی دنیا کا کوئی لگ رہا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ...... آپ واقعی اپنے والدین کو نہیں جانتے؟"

"بالکل نہیں۔ میں کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟ میری پیدائش کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟ میں ان شریف مجرموں کو نہیں جانتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مجرم نہ ہوں۔ میرے بچپن میں میرے والدین مر گئے ہوں گے۔ میرے رشتے داروں نے لاوارث سمجھ کر مجھے نکال دیا ہو۔ میں اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ایک کہاوت ہے کہ جس کا باپ زندہ ہو لوگ اسے حرامی نہیں کہتے' اور آمنہ تمہارا باپ زندہ ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی تمہیں ناجائز اولاد نہ کہے اگر یہ دنیا ایسا کہتی ہے تو سب سے پہلے تمہارے باپ کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم احساس کمتری میں مبتلا نہ رہو۔ خود کو تنہا نہ سمجھو میں تمہارے لیے آخری سانس تک لڑوں گا۔"

آمنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آنسو بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ خوشی ملے تب بھی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ ایسے وقت جب کہ اس کے چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تھا اور اس اندھیرے میں بدنامی کے جگنو اڑ رہے تھے تو وہ ایک روشنی کی کرن بن کر سامنے آگیا تھا۔ بے اختیار اس کے جی میں آیا کہ وہ اس کرن کے اجلے اجلے قدموں پر اپنا سر رکھ دے مگر سجدہ شکر صرف خدا کے لیے ہوتا ہے۔ انسان کو شکریہ کے طور پر ایک دوسرے کو گلے لگنا چاہیے۔ گلے لگنے کے تصور سے ہی اس نے شرما کر سر کو جھکا لیا۔

جب وہ کلاس میں پہنچی تو اسے افشاں کے پیچھے بیٹھنے کو جگہ ملی۔ سب ہی لڑکیوں نے اپنی اپنی نشستیں مخصوص کر لی تھیں۔ وہ دیر سے آئی تھی۔ اس دنیا میں بھی افشاں کے

www.pklibrary.net

آئی تھی اس لیے پیچھے رہ جاتی تھی۔ جب وہ لیکچر سننے کے دوران پرفیسر کی جانب دیکھتی ے افشاں کی پشت نظر آتی۔ افشاں کا دل پڑھنے میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنے پاس کی سے باتیں کرتی جارہی تھی۔ ایک بار اس نے اپنے گلے سے سونے کی زنجیر اتار کر پھر اس کا لاکٹ کھول کر اپنی سہیلی کو دکھایا۔ اس لاکٹ میں ایک چھوٹی سی تصویر تھی۔

"یہ میرے ڈیڈی ہیں۔"

آمنہ نے افشاں کی یہ بات واضح طور سے سنی۔ باپ کا ذکر آیا تو اس کا دل بے اختیار مچل گیا۔ وہ اپنے باپ کی صورت دیکھنے کے لیے اپنی میز پر آگے کی طرف جھک گئی۔ اس لاکٹ میں ایک بہت ہی پر وقار شخص نظر آیا۔ اس کے چہرے پر شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایسا شریف اور عزت دار شخص ایک بیٹی کا باپ بننے کے بعد اسے نہیں بھول سکتا تھا۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے بھول گیا تھا تو وہ اس کی گود میں سر رکھ کر اسے بھولا ہوا رشتہ یاد دلا سکتی تھی۔

لاکٹ بند ہو گیا تو باپ کے لئے جذبات کا بہاؤ بھی رک گیا۔ اسے تلخیاں یاد آئیں جب بھی اس کی امی اسے گود میں لے کر اس کے باپ کے دروازے پر گئی تھیں۔ اگر اس میں پدرانہ شفقت ہوتی تو وہ اسی وقت اسے گود میں لے لیتا۔ بیس برس کی مدت میں کبھی ایک بار تو ضرور آکر دیکھتا۔ مگر اس شخص نے اپنی اونچی سوسائٹی کے اجلے خالص دودھ سے مکھی کی طرح اسے نکال کر پھینک دیا تھا۔

وہ اپنی جگہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ باپ بے حس اور بے رحم ہے اس کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ ان باؤلی لڑکیوں کو کوئی رشتہ اپنی محبت دے یا نہ دے مگر یہ اپنے رشتے کی محبت لٹانے کے لیے دیوانی ہو جاتی ہیں۔ دل کہہ رہا تھا کہ باپ نہیں ملتا ہے تو اس کی تصویر ہی مل جائے تو اپنی ماں سے بھی اس تصویر کو چھپا کر رکھے گی مگر یہ سب خیال ہی خیال تھا۔ بھلا اتنے بڑے آدمی کی تصویر اسے کہاں سے مل سکتی تھی۔

کلاس ختم ہونے کے بعد وہ باہر آئی تو باپ کی تصویر اس کے دماغ میں جھانک رہی تھی۔ اس نے افشاں کو اپنے سامنے سے گزرتے وقت دیکھا۔ چلتے وقت افشاں کے سینے

www.pklibrary.net

پر وہ لاکٹ یا باپ کی وہ تصویر اپنی بیٹی کے دل کی دھڑکنوں کو سن رہی تھی۔ آمنہ نے اپنے خالی سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ ایک تصویر کے بغیر اسے اپنے دل کی دھڑکنیں خالی خالی سی لگ رہی تھیں۔ افشاں اس کے جذبات سے بے خبر کالج کے برآمدے میں ٹہلتی ہوئی اس طرف آ گئی جہاں خرم کھڑا ہوا تھا۔

"ہیلو خرم! تمہاری گاڑی ٹھیک ہو گئی؟"

"جی ہاں۔ آپ کے پیسوں سے اور میری محنت سے وہ پھر رینگنے کے قابل ہو گئی ہے۔"

"تم گاڑی بدل کیوں نہیں لیتے؟ میری گاڑی پر ہلکی سی خراش بھی آ جائے تو میں اسے بدل دیتی ہوں۔ وہ دیکھو میں نے نئی کیڈیلاک خریدی ہے۔"

خرم نے دور کھڑی ہوئی کیڈیلاک کو دیکھا۔ پھر افشاں کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ڈیڈی بہت دولت مند ہیں۔ وہ بھی ہلکی سی خراش پسند نہیں کرتے ہوں گے۔"

بالکل پسند نہیں کرتے۔ ہم باپ بیٹی کا نیچر ایک ہے۔ گھر کی کسی چیز میں ذرا سا نقص پیدا ہو جائے تو اسے بدل دیتے ہیں۔"

خرم نے اپنے فقرے کو نہایت اطمینان سے چباتے ہوئے کہا۔

"مس افشاں۔ اس دنیا کی بھیڑ میں تمہیں بھی نہ جانے کتنی جگہ ٹکر لگے گی۔ اگر تم پر خراش پڑ جائے تو کیا تمہارے ڈیڈی تمہاری جگہ دوسری بیٹی لے آئیں گے؟"

"وہاٹ نان سنس۔ کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہو۔"

"میری باتیں تمہیں بے تکی نظر آتی ہیں اور تمہاری باتیں مجھے مضحکہ خیز لگتی ہیں۔ جہاں غریبی اور امیری کا تضاد ہوتا ہے وہاں ایک دوسرے کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ تم یہ بات گرہ میں باندھ لو تم اپنی دولت اور غرور سے مجھے متاثر نہیں کر سکتیں۔"

وہ بڑی بے رخی سے جانے لگا۔ افشاں اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہنے لگی۔

"ذرا ٹھہرو۔ تم تو ناراض ہو گئے۔ اگر میں مغرور ہوں، اگر مجھ میں کوئی خامی ہے تو تمہیں پیار سے سمجھانا چاہیے۔"

www.pklibrary.net

"پیار؟" وہ چلتے چلتے رک گیا۔ پلٹ کر اس کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جہاں تک اس کے حسن کا تعلق تھا۔ وہ پیار کے قابل تھی مگر وہ تو آمنہ کے باطنی حسن کو پسند کرنے لگا تھا۔ اس نے سرہلا کر کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ سنا ہے پیار سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں۔ اگر تم پیار کی زبان کو سمجھو گی تو میں اسی زبان میں تمہیں سمجھاؤں گا۔"

"پرامس!" خرم نے اس سے ہاتھ ملا کر وعدہ کرلیا۔

"اگلے سنڈے کو میں نے پکنک کا پروگرام بنایا ہے۔ پیار کے ناطے تم مجھے کمپنی دو گے، رائٹ؟"

"میں ابھی وعدہ نہیں کرتا۔ اگر میرے کارخانے میں زیادہ کام نہ ہوا تو آجاؤں گا۔"

"اچھا تم کسی کارخانے میں مزدوری کرتے ہو؟ مگر حلیے سے مزدور نظر نہیں آتے۔"

"یہاں ایک اسٹوڈنٹ نظر آتا ہوں۔ کارخانے میں آکر دیکھو گی تو ایک مزدور نظر آؤں گا۔ ویسے میرا اپنا ورکشاپ ہے۔ میں کاروں کی مرمت کرتا ہوں۔"

"اوہو! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اب میں اپنی کوٹھی اور مل کی تمام گاڑیاں تمہارے ہی کارخانے میں بھیجا کروں گی۔"

"تھینکس۔ تم تو میرے لیے بہت اچھی گاہک ثابت ہو رہی ہو۔ اب تو مجھے پکنک کی دعوت قبول کرنا ہی ہوگی۔ کام حاصل کرنے کے لیے بڑے لوگوں کی بڑی خوشامدیں کرنا پڑتی ہیں۔"

وہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔ دوپہر کو کالج کی چھٹی ہوئی تو اس نے آمنہ کو خرم کی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا۔ اس کے تیور بدل گئے کہ وہ بجھی بجھی سی لڑکی پہلے ہی دن سے اس کے اور خرم کے درمیان کیوں آگئی۔ اسے بھی ایک زبردست ٹکر مارنا ہوگی۔ آمنہ خرم کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ادھر سے ادھر ڈگمگا رہی تھی۔ وہ کھٹارہ ایسی تھی کہ دائیں بائیں ڈگمگا کر آمنہ کو بار بار اس کی جگہ سے کھسکا کر خرم کے نزدیک پہنچا دیتی تھی۔ خرم نے پوچھا۔

"کیا بات ہے تم بہت خاموش ہو؟ ایک خاموش مجسمے کی طرح زندگی گزارنا مجھے پسند نہیں۔ زندگی میں جتنی سانسیں ملتی ہیں، انہیں شکریہ کے طور پر ہنستے بولتے قبول کرنا

www.pklibrary.net

چاہیے۔ کیا تم کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کہ میں تمہارا ساتھ دے سکوں۔"
وہ سر جھکا کر بولی۔
"مجھے سب سے زیادہ آپ پر بھروسہ ہے۔ آج آپ نے مجھے بہت سی خوشیاں دی ہیں۔ میرے دل میں اعتماد کا رشتہ قائم کیا ہے۔"
"تو پھر ہنس ہنس کر باتیں کرو' اتنی خاموش کیوں ہو؟"
"وہ...... وہ دراصل میں اپنے ابو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ بیٹی کے رشتے کو بھلا سکتے ہیں۔ میں باپ کے رشتے کو نہیں بھلا سکتی۔ آج میں نے کالج میں جب سے ان کی تصویر دیکھی ہے۔ تب سے میرا دل اس تصویر کو سینے سے لگانے کے لیے رو رہا ہے۔"
خرم نے حیرانی سے پوچھا۔
"کالج میں تم نے اپنے ابو کی تصویر کہاں سے دیکھی؟"
"افشاں کے گلے میں جو لاکٹ ہے اس میں میرے ابو کی تصویر ہے۔"
"کیا مطلب؟" گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ "افشاں کے لاکٹ میں آمنہ کے باپ کی تصویر؟"
خرم حیرانی سے اس کا منہ تکنے لگا۔ آمنہ کے چہرے پر کرب لہریں لے رہا تھا۔
افشاں کے ڈیڈی میرے ابو ہیں۔ مگر میں انہیں ابو نہیں کہہ سکتی۔"
خرم چند لمحوں تک شدید حیرانی سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔
بیس برس کے بعد کل میں نے ابو کا ذکر سنا کہ وہ زندہ ہیں۔ امی نے بتایا کہ میرے ساتھ پڑھنے والی افشاں میرے ابو کی بیٹی ہے۔ آج پہلی بار میں نے اس لاکٹ میں ابو کا چہرہ دیکھا ہے۔ یہ کیسی ناانصافی ہے کہ وہ ابو کے پاس رہتی ہے اور میں ان کی تصویر کو ایک بار بھی سینے سے نہیں لگا سکتی۔ میرا جی چاہا تھا کہ میں افشاں سے وہ تصویر مانگ لوں۔ مگر یہ سوچ کر چپ ہو گئی کہ وہ مجھے باپ کی محبت میں حصے دار نہیں بنائے گی۔"
خرم چپ چاپ اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس کی حیرانی اب دور ہو چکی تھی اور اب وہ دو بیٹیوں کے درمیان ایک باپ کی ناانصافیوں کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ رہا تھا۔
"آمنہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بیس برس تک جس باپ نے چھپنے کی کوشش کی۔ وہ آج اپنی لاڈلی بیٹی کے لاکٹ سے کھل کر سامنے آ گیا۔ تم کہو تو میں تمہارے ابو سے مل کر

www.pklibrary.net

ان کا محاسبہ کروں۔"

"نہیں خرم! جب وہ میری امی کی فریاد سے نہ پگھل سکے۔ جب ان کے دل میں ایک لمحے کے لیے بھی میری یاد نہیں آئی تو ان سے کچھ کہنا فضول ہے۔ رشتوں کی محبتیں خیرات کے طور پر نہیں مانگی جاتیں۔ میری وجہ سے اگر وہ بدنام ہوتے ہیں تو میں بدنامی بن کر ان کے سامنے کبھی نہیں جاؤں گی۔ اب تو صرف اتنی سی خواہش ہے کہ ابو کی ایک تصویر کہیں سے مل جائے۔ میں سونے کا لاکٹ نہیں بنا سکتی مگر پیتل کے لاکٹ میں تو انہیں اپنے دل کے قریب رکھ سکتی ہوں"

میں تمہارے لیے پیتل کا لاکٹ خرید کر لا سکتا ہوں۔ افشاں مجھ سے بہت زیادہ فری ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں وہ تصویر اس سے مانگ لوں گا۔ مگر کیا کہہ کر مانگوں گا؟ وہ ہزار قسم کے سوالات کرے گی۔"

"پھر وہ تصویر کب ملے گی؟" آمنہ نے مایوسی سے پوچھا۔

"دیکھو جب تک میرے ساتھ ہو کسی قسم کی مایوسی کو دل میں جگہ نہ دو۔ محبت میں لوگ آسمان سے تارے توڑ لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا میں ایک لاکٹ سے تصویر توڑ کر نہیں لا سکوں گا۔ تم اطمینان رکھو۔ تمہارے ابو کی تصویر تمہارے سینے سے ضرور لگے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ پھر زندگی کی گاڑی میں ڈگمگاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

○☆○

میرا میر خان کے ڈرائنگ روم میں کچھ بڑے بڑے خاندانی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ عزت اور غیرت کے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک بہت بڑے مل اونر کی بیٹی اپنے ایک معمولی ڈرائیور کے عشق میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس کے ماں باپ نے بہتیرا سمجھایا کہ اپنی حیثیت کے لوگوں سے محبت کی جاتی ہے۔ وہ ایک معمولی ڈرائیور کو اپنا داماد بنا کر اپنی سوسائٹی میں بدنام ہونا کبھی پسند نہیں کریں گے۔ مگر لڑکی جذبات میں اندھی ہو گئی تھی۔ ایک رات وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ فرار ہونا چاہتی تھی۔ عین وقت پر باپ نے دیکھ لیا۔ پھر غیرت کے جوش میں آ کر اپنی بیٹی کو ریوالور سے شوٹ کر دیا اور سزا پانے کے لیے

www.pklibrary.net

جیل میں پہنچ گیا۔

"واہ' واہ اسے کہتے ہیں غیرت۔" ایک صاحب نے تعریفی انداز میں سر دھنتے ہوئے کہا۔

"عزت ہے تو سب کچھ ہے۔" میرا میر خان بڑھ بڑھ کر بول رہے تھے۔ "جو اولاد عزت کی دشمن بن جائے۔ اس کا مرجانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اپنی عزت اور ناموس کے لیے ہی اولاد کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہ چھوٹے لوگ تو ہمیشہ ہی اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح ہماری عزت اور ہمارا خاندانی وقار خاک میں مل جائے۔ میں نے تو اپنی بیٹی کو وہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹے لوگوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔"

افشاں کی ممی اپنے کمرے سے ان کی باتیں سن رہی تھیں اور دل ہی دل میں گھبرا رہی تھی کہ افشاں کے باپ کو اپنی بیٹی کی حقیقت معلوم ہوگی تو وہ اپنی عزت کی خاطر اپنی جان دے دیں گے۔ یا بیٹی کی جان لے لیں گے۔

وہ ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئیں اور افشاں کے متعلق سوچنے لگیں کہ وہ اپنی کار کی طرح اس چار سال کے عرصے میں کتنے عاشق بدل چکی ہے۔ ہر بار ماں نے اس کے عشق کو اس کے باپ سے چھپایا بیٹی کو سمجھایا کہ وہ اپنی حیثیت کا لڑکا پسند کرے مگر بیٹی کے خیالات کچھ اور تھے۔ وہ کہتی تھی۔

"ممی آپ نہیں جانتیں۔ آپ کا زمانہ اور تھا اور ہمارا زمانہ اور ہے۔ میں کم حیثیت والے سے اس لیے شادی کرنا چاہتی ہوں کہ وہ میرے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ میری ذاتی تفریحات میں سائے کی طرح میرے پیچھے نہیں لگا رہے گا۔ اچھا کمانے والے مرد حاکم بن جاتے ہیں بیوی کی دولت پر پلنے والے محکوم بن کر رہتے ہیں۔ میں شادی کے بعد پنجرے میں بند ہو کر رہنا نہیں چاہتی۔"

بیٹی کے خیالات سن کر اس کی ممی نے اس کے ڈیڈی سے ایک لڑکے کی سفارش کی جو ان کی ہی مل میں مینیجر تھا۔ اپنے ہی مل کے ملازم کو داماد بنانے کی بات آئی تو میرا میر خان غصے میں آپے سے باہر ہوگئے۔ شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہہ دیا کہ وہ بیٹی کو زہر دے کر مار ڈالیں گے۔ اس نوجوان مینیجر کو شوٹ کردیں گے خود پھانسی کی تختہ پر چڑھ جائیں گے اور غیرت مندی کی ایک یادگار مثال چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ کیوں کہ انسان مرجاتا

www.pklibrary.net

ہے مگر عزت کبھی نہیں مرتی۔ وہ عزت ہمیشہ اس کے نام کو زندہ رکھتی ہے۔

ان کی باتیں سن کر پھر ماں بیٹی کو حوصلہ نہیں ہوا کہ کسی کم حیثیت والے کو اپنے خاندان میں جگہ دینے کا تصور بھی کر سکیں۔ افشاں نے اپنی اس غلطی سے توبہ کرلی تھی۔ اس لیے میر میرا خان نے اسے معاف کر دیا۔ لیکن مینیجر کو اپنی مل سے نکال دیا۔ وہ اپنے باپ سے چھپ چھپ کر نت نئے بوائے فرینڈ بناتی تھی، اس کا حساب عزت کے کھاتے میں نہیں آیا۔ زرینہ کے ساتھ ہونے والی غلطی کا حساب بھی سماج کے کسی رجسٹر میں درج نہیں ہوا۔ جو غلطیاں چوری چھپے ہوتی ہیں وہ غلطیاں نہیں کہلاتیں۔

مگر خرم کے معاملے میں افشاں کچھ سنجیدہ ہی ہو گئی۔ سنجیدہ اس لیے بھی تھی کہ آمنہ جیسی ایک غریب لڑکی اس کے عشق کو چیلنج کر رہی تھی۔ اس سلسلے میں ناکام ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خرم ہاتھ سے نکل جاتا۔ خرم جیسے کتنے ہی نوجوان اس کے آگے پیچھے گھومتے رہتے تھے۔ ضد یہ تھی کہ وہ آمنہ کو چوٹ دے گی۔ اس کے لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ کسی اچھے موقع پر وہ اپنے ڈیڈی کے سامنے خرم کا تذکرہ کرے گی اور انہیں اپنی پسند کی طرف مائل کرے گی۔

○☆○

اتوار کی صبح طلبہ اور طالبات کا قافلہ پکنک کے لیے کلری جھیل کے آزادانہ ماحول میں پہنچا تو وہ خرم کی آنکھوں میں بار بار جھانک رہی تھی اور خرم بار بار اس کے لاکٹ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ وہاں سے تصویر کس طرح حاصل کرے۔ افشاں نے ہلکا سا ناشتہ کرنے کے بعد خرم سے کہا۔

"چلو کہیں دور چلیں۔ اس بھیڑ میں اپنی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

وہ دونوں پکنک پارٹی سے دور ہو کر درختوں کے جھنڈ سے گزرنے لگے۔ افشاں کہنے لگی۔

"خرم میں دولت کی بات کرتی ہوں تو تم اسے میرا غرور سمجھتے ہو۔ مگر کیا تمہارے دل میں یہ خواہش نہیں ہوتی ہے تم بھی دولت مند بن جاؤ۔"

"یہ خواہش ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ ہماری اس دنیا میں دولت کے بغیر انسان کی کوئی عزت نہیں ہے۔"

www.pklibrary.net

"گڈ۔ میں بھی تمہیں یہی سمجھانا چاہتی تھی۔ اگر ہم جیون ساتھی بن جائیں تو میرے ڈیڈی کی آدھی دولت تمہارے قدموں میں آجائے گی۔ ابھی تم ایک معمولی سا موٹرورکشاپ کھول کر بیٹھے ہو۔ اگر میرے لائف پارٹنر بنو گے تو نئی کاروں کے سب سے بڑے ڈیلر بن جاؤ گے یا اس سے بھی بڑا کاروبار کر سکو گے۔ میری طرف سے تمہیں سرمایہ ملے گا تو دیکھتے ہی دیکھتے تمہارا نام ملک کے چند بڑے سرمایہ داروں کی فہرست میں آجائے گا۔"

خرم دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ وہ اپنے حسن و شباب کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کا سرمایہ بھی لے کر آرہی تھی۔ اتنی زبردست پیش کش کو بھلا کون جوان ٹھکرا سکتا ہے۔ مگر اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس دنیا میں دولت کے بغیر عزت نہیں ملتی اور اگر دولت ہونے والی بیوی کے ہاتھوں سے ملے تو رہی سہی عزت بھی مٹی میں مل جاتی ہے۔ وہ عمر بھر کے لیے اسے اپنا احسان مند بنانا چاہتی تھی۔ خرم فوراً ہی انکار کر سکتا تھا۔ اس کی نظروں میں آمنہ کی خوشی سب سے اہم تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"ڈارلنگ تم اپنی محبت کو میرے لیے رحمت بنا رہی ہو۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب اور کون ہوگا تمہیں پانے کے بعد مجھے سارے جہاں کی دولت مل گئی ہے مگر تمہارے ڈیڈی راضی نہیں ہوں گے۔"

میں ڈیڈی کو بہت جلد منالوں گی۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میری غریبی کا مذاق نہ اڑائیں۔"

"اور اگر وہ تمہارا مذاق اڑائیں گے تو میں اسے اپنی توہین سمجھوں گی۔ میں تمہارے لیے وہ گھر چھوڑ دوں گی۔ تمام رشتوں کو توڑ دوں گی۔ اگر باپ اپنی بیٹی کی خوشیوں کا دشمن بن سکتا ہے تو بیٹی بھی باپ کے رشتے سے منہ موڑ سکتی ہے۔"

"اوہ ہنی۔ تم کتنی گریٹ ہو۔" خرم نے اسے...... ذرا قریب کیا تو وہ اور زیادہ قریب آگئی...... خرم اس سے وہ تصویر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے یہ محبت کا ناٹک کھیل رہا تھا مگر اس وقت کڑی آزمائش میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے خود کو جلدی سے چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لاکٹ کیسا ہے؟"

www.pklibrary.net

افشاں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے قدرے بے زاری سے کہا۔

"اس وقت تمہیں یہ لاکٹ کیوں یاد آگیا؟ یہ سونے کا ہے اور اس میں میرے ڈیڈی کی تصویر ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر قریب آگئی۔ خرم نے کہا۔

"ٹھہرو افشاں...... مجھے تو یوں لگا جیسے ہمارے درمیان ایک انجانی سی دیوار کھڑی ہوگئی ہو۔ اب پتہ چلا کہ ہماری دھڑکنوں کے درمیان تمہارے یہ ڈیڈی آگئے ہیں نوجوانوں کی تنہائی میں بوڑھوں کو نہیں آنا چاہیے۔ اسے پیچھے کرلو۔"

اس نے اپنی گردن کے محور پر لاکٹ کے چین کو گھمایا اور اپنے ڈیڈی کی تصویر کو پشت کی طرف دھکیل دیا۔ پھر خرم کی سانسوں کے قریب آگئی۔ خرم کے دونوں ہاتھ اسے گھیرے ہوئے اس کی پشت پر آگئے۔ پشت پر لاکٹ جھول رہا تھا۔ اس کی گردن سے افشاں جھول رہی تھی۔ لاکٹ کے دونوں پٹ کھل رہے تھے۔

وہ خرم کو آمنہ سے چرا رہی تھی۔ خرم نے لاکٹ سے اس کے باپ کی تصویر چرالی۔

واپسی میں افشاں کے دل و دماغ پر نشہ سا چھایا ہوا تھا۔ خرم بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اسے افشاں کے اتنے قریب نہیں جانا چاہیے تھا مگر وہ دل کو سمجھا رہا تھا کہ سیدھی انگلی سے گھی کبھی نہیں نکلتا۔ جو کچھ ہوا وہ تصویر حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا۔ شہر پہنچ کر افشاں یہ وعدہ کرتی ہوئی رخصت ہوگئی کہ وہ بہت جلد اس شادی کے لیے اپنے ڈیڈی کو راضی کرلے گی۔ دوسرے دن کالج جاتے وقت آمنہ اس کی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ اس نے آمنہ کو ایک پیتل کا لاکٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میں اپنی حیثیت کے مطابق پیش کر رہا ہوں۔ تمہارے ابو اب تک سونے کے گھر میں رہتے تھے۔ اب اس پیتل کے مکان میں رہیں گے۔ اسے کھول کر دیکھ لو۔"

آمنہ نے اسے کھول کر دیکھا۔ باپ کی تصویر دیکھتے ہی خوشی سے کھل گئی۔ اس نے فرط عقیدت سے خرم کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"یہ...... یہ میرے ابو کی تصویر ہے۔ اسے دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ میرے ابو مجھے مل گئے ہیں۔"

www.pklibrary.net

خرم نے اسے بڑی ہمدردی سے دیکھا۔ اس لڑکی نے باپ کی تصویر پاکر سارے جہاں کی دولت پالی تھی۔ اس نے چین کو گلے میں پہن کر سینے پر پہنچنے والے لاکٹ کو ایک ہاتھ سے تھام کر دل کی دھڑکنوں پر رکھ لیا۔ گاڑی جب آگے بڑھی تو اس نے پوچھا۔

"یہ تصویر آپ کو کہاں سے ملی؟"

"چوری کی ہے۔ جب مانگنے سے اپنا حق نہ ملے تو چھین لینا چاہیے۔"

آپ نے یہ تصویر کیسے چھین لی؟ کیا افشاں نے کچھ نہیں کہا؟"

"افشاں تو بہت کچھ کہتی ہے مجھے دولت کا لالچ دے کر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اگر اس وقت میں اپنے فیصلے سے انکار کرتا تو وہ مجھ سے دور ہو جاتی۔ اگر وہ مجھ سے دور ہو جاتی تو میں یہ تصویر حاصل نہ کر سکتا۔ اسے چرانے کے لیے مجبوراً اسے گلے لگانا پڑا۔"

آمنہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے چشم تصور سے دیکھا کہ خرم افشاں کو گلے لگا رہا ہے۔ وہ باپ کی ایک تصویر پا کر اپنے محبوب کو کھو رہی تھی۔ اسے سر جھکائے دیکھ کر خرم نے پوچھا۔

"کیا ناراض ہو گئیں؟"

"میں ناراض ہونے والی کون ہوتی ہوں۔"

"یہ گفتگو کا انداز بتا رہا ہے کہ تم واقعی ناراض ہو۔ ناراض ہونے کے بجائے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر میرے دل میں بے ایمانی ہوتی تو میں کسی کو گلے لگانے والی بات تمہارے سامنے نہ کہتا۔ میں نے تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میرے دل و دماغ میں صرف تم ہی تم سمائی ہوئی ہو۔ افشاں جیسی دولت مند لڑکیاں تمہاری جگہ نہیں لے سکتیں۔"

وہ سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولی۔

"کچھ بھی ہو' تصویر مجھے مہنگی پڑی ہے۔ ابو کے ساتھ میرا جذباتی رشتہ ہے۔ مگر اتنی بڑی دنیا میں صرف آپ ہی میرا اور نہ ٹوٹنے والا سہارا ہیں۔ میں آپ کو کسی بھی لڑکی کے قریب دیکھوں گی تو خاموشی سے ٹوٹ جاؤں گی۔"

خرم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

www.pklibrary.net

"میں تمہیں ٹوٹنے نہیں دوں گا۔ مرد کی زبان ایک ہوتی ہے۔ اس کی چاہت ایک ہوتی ہے۔ اس کی پسندیدہ ہستی ایک ہوتی ہے۔ اس ہستی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ زندگی کے طویل سفر میں بہت سی غلط فہمیاں اور شکایتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر تمہارا اعتماد نہیں ڈگمگائے گا تو میرے قدم بھی کبھی نہیں ڈگمگائیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب افشاں کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

آمنہ کے ذہن سے غبار دھل گیا۔ اعتماد کی بات آئی تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ خرم نے اس کی خاطر ہی یہ سب کچھ کیا ہے۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے اسے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔

وہ کلاس میں پہنچی تو دستور کے مطابق افشاں کے پیچھے بیٹھی لیکچر سنتی رہی۔ باپ کی تصویر سینے سے لگی ہوئی تھی۔ پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ دماغ میں یہ بات پک رہی تھی کہ آج وہ بہت اونچی ہوگئی ہے۔ اس کا باپ اس کے پاس ہے۔ وہ ساری دنیا کو فخر سے یہ دکھا سکتی ہے کہ اس کے پاس بھی اس کے ابو کی تصویر رہتی ہے۔ بس اسی جذبے کے تحت اس سے ایک حماقت ہوگئی۔ اس کے دل نے مجبور کیا تو اس نے لاکٹ کھول کر اپنے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی کو اپنی ابو کی تصویر دکھا دی۔ ایک لڑکی نے دیکھا تو دوسری لڑکی بھی آگئی۔ وہ دوسری لڑکی افشاں کے لاکٹ میں وہی تصویر دیکھ چکی تھی۔ اس کی زبان سے یہ بات ساری لڑکیوں میں پھیل گئی کہ آمنہ کا باپ صرف افشاں کے ڈیڈی کا ہم نام نہیں بلکہ ہم شکل بھی ہے اور یہ بڑی عجیب سی بات ہے۔ افشاں نے سنا تو تنک کر کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پتہ نہیں وہ لڑکی میرے ڈیڈی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے پہلے تو ان کا نام چرایا۔ اب ان کی صورت بھی چراتی ہے۔"

"کہیں اس نے ڈیڈی کی تصویر ہی نہ چرالی ہو۔" اس کی سہیلی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "تم ذرا اپنا لاکٹ کھول کر دیکھ لو۔"

افشاں نے لاکٹ کھول کر دیکھا تو تصویر غائب تھی۔ وہ غصے سے کانپتی ہوئی بولی۔

"چور کہیں کی۔ پہلے باپ کا نام چرایا اور اب تصویر چرالی۔ کیسی کمینی ہے۔ دوسرے کے باپ کو اپنا باپ کہتی ہے۔"

وہ غصے سے سنسناتی ہوئی آمنہ کو تلاش کرنے لگی۔ آمنہ کالج کے باغیچے میں ایک

www.pklibrary.net

بینچ پر تنہا بیٹھی ہوئی لاکٹ کو کھول کر اپنے ابو کو دیکھ رہی تھی۔ افشاں کو قریب آتے دیکھ کر سہم گئی۔ لاکٹ کو جلدی سے بند کر کے اپنی مٹھی میں بھینچ لیا تاکہ کوئی اس کے باپ کو اس سے نہ چھین سکے۔ افشاں نے آتے ہی کہا۔

"تمہاری کمزور مٹھی میں چوری کا مال نہیں چھپ سکے گا۔ لاؤ میرے ڈیڈی کی تصویر واپس کردو۔"

"نہیں یہ میرے ابو کی تصویر ہے۔"

"تم سیدھی طرح نہیں مانو گی۔ میں پرنسپل سے جا کر شکایت کرتی ہوں۔ ان کے سامنے تو تمہارا باپ بھی تصویر واپس کردے گا۔"

وہ غصے سے پلٹ کر جانے لگی تو آمنہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔

"ٹھہرو افشاں۔ اگر تم پرنسپل سے شکایت کرو گی تو ہم دونوں کی لڑائی میں ایک باپ کی بدنامی ہوگی، تم اسے تسلیم کرو یا نہ کرو مگر یہ حقیقت نہیں بدلے گی کہ ہم دونوں ایک ہی باپ کی بیٹیاں ہیں۔ اگر تمہیں ابو کی عزت عزیز ہے تو ابھی کالج میں بات نہ بڑھاؤ پہلے ابو سے تصدیق کرلو۔"

افشاں حیرت سے دیدے پھیلائے اس کا منہ تک رہی تھی۔ وہ کسی حد تک نرم پڑ گئی تھی مگر اس نے عادت کے مطابق سخت لہجے میں کہا۔

"تم کس رشتے سے میری بہن بن رہی ہو؟ کیا میرے ڈیڈی نے تمہاری ماں سے چوری چھپے شادی کی ہے؟"

آمنہ شروع سے لے کر اب تک کی داستان اسے سنانے لگی۔ افشاں خاموشی سے سنتی رہی۔ اور دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ ڈیڈی کی ایک کمزوری ہاتھ آگئی ہے۔ وہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خرم سے شادی کرنے کی ضد کر سکتی ہے۔ اس نے آمنہ کو دیکھ کر نفرت سے کہا۔

"تمہاری ماں میرے ڈیڈی کے نکاح میں نہیں آئی تھی۔ ایسی عورتیں پیسے والوں کے پاس آتی جاتی رہتی ہیں۔ میرے ڈیڈی کی بننے کے لیے تمہاری کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ وہ تصویر مجھے واپس کردو۔"

آمنہ نے لاکٹ کو پھر سے مٹھی میں جکڑ لیا۔

www.pklibrary.net

"نہیں! ابو تمہارے پاس ہیں' تصویر میرے پاس رہے گی۔ اگر تم بات بڑھانا چاہتی تو بڑھاؤ مگر میں تصویر واپس نہیں کروں گی۔"

"تم نے میرے ڈیڈی کو بدنام کرنے کے لیے اچھی صورت نکالی ہے۔ مگر یاد رکھو' ان کی تصویر گلے سے لگا کر نہ تو ان کی بیٹی بن سکو گی اور نہ انہیں بدنام کر سکو گی۔ یہ گلے پڑنے والی بات ہے۔"

وہ تنتناتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔ اس نے تصویر واپس لینے کی ضد نہیں کی۔ اسے تو اس بات کی خوشی تھی کہ باپ کو اپنے فیصلے کے سامنے جھکانے کے لیے بہت اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔ وہ کالج سے سیدھی گھر چلی آئی۔ میرا میر خان اپنی لائبریری میں بیٹھے ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ بیٹی کو دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔

"آج اتنی جلدی کالج سے کیسے چلی آئیں؟"

"مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔ اس لیے جلدی آگئی ہوں۔ میں نے آپ سے خرم کا ذکر کیا تھا' آپ کو یاد ہے نا؟"

"میری یادداشت بہت اچھی ہے بے بی۔ تم شاید اس نوجوان طالب علم کی بات کر رہی ہو۔ جس کی گاڑی کو ٹکر مار کر تم نے پچکا دیا تھا۔"

"جی ہاں وہی خرم۔ وہ بہت ہی اسمارٹ اور ہینڈسم ہے۔ ڈیڈی ٹولی ویری فرینک۔ میں اسے پسند کرتی ہوں اور اسے لائف پارٹنر بنانا چاہتی ہوں۔"

میرا میر کے تیور بدل گئے۔ انہوں نے بیٹی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہاری پسند اتنی گھٹیا کیوں ہے؟ تم نے پستی میں رینگنے والے کیڑوں سے ہمیشہ نفرت کی ہے۔ آج تمہارے دماغ میں اس پستی کا ایک کیڑا کیوں کلبلا رہا ہے؟"

"ڈیڈی! انسانوں کے درمیان صرف اپنے مفاد کی خاطر بلندیاں اور پستیاں بنائی جاتی ہیں۔ جب خرم مجھ سے منسوب ہو جائیں گے تو وہ خود بہ خود پستی سے اٹھ کر بلندی پر آجائیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ غصے سے کانپنے لگے "خدا نے جسے جو حیثیت دی ہے وہ اسی حیثیت میں جئے گا اور مرے گا۔ کیا تم اسے میرے خاندان میں لا کر ایک گندی مچھلی کی طرح سارے تالاب کو گندہ کرنا چاہتی ہو' مجھے اپنی سوسائٹی میں بدنام کرنا چاہتی ہو' جن

www.pklibrary.net

کے سامنے میں ناک اونچی کرتا ہوں کیا ان کے سامنے سر جھکا کر چلوں گا؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا خود مر جاؤں گا مگر اپنے آباؤ اجداد کی بنائی ہوئی عزت پر حرف نہیں آنے دوں گا۔ لہٰذا یہ خیال دل سے نکال دو کہ ایک جھگی میں رہنے والا اس محل میں آ کر میرا داماد بنے گا۔"

"وقت کے مطابق انسان کی جگہ بدلتی رہتی ہے ڈیڈی۔ اس سونے کے لاکٹ کو دیکھیے۔ کل تک آپ اس میں رہتے تھے مگر آج خالی ہے۔"

اس نے لاکٹ کھول کر دکھایا۔ انہوں نے خالی لاکٹ کو دیکھ کر پوچھا۔

میری تصویر کہاں ہے؟"

"وقت کے مطابق جگہ بدل گئی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جھگی کا آدمی کوٹھی میں نہیں آ سکتا مگر آپ سونے کے لاکٹ سے نکل کر پیتل کے لاکٹ میں پہنچ گئے ہیں۔ اور وہ پیتل کا لاکٹ آمنہ کے گلے میں ہے۔"

"کون آمنہ؟" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"آمنہ۔ آپ کی اور زرینہ کی بیٹی۔ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ لہٰذا آپ یہ نہ پوچھیں کہ میں کس زرینہ کی بات کر رہی ہوں۔"

میر امیر خان اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے یوں نظر آنے لگے تھے جیسے ٹکر مارنے والی بیٹی نے انہیں بھی پچکا کر رکھ دیا ہو۔

تت..... تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟

"ڈیڈی ہم جو اپنی کوٹھی سے کوڑا کرکٹ کا ڈھیر نکال کر کچرا محلوں میں پھینکتے ہیں، وہاں کی غلاظت سے کوئی نہ کوئی کیڑا رینگتا ہوا ہم تک پہنچ جاتا ہے۔ بیس سال بعد آمنہ رینگتی ہوئی میرے لاکٹ تک پہنچ گئی تو مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ ڈیڈی میں آپ سے کوئی نئی بات کہنے نہیں آئی ہوں۔ آپ غریب زرینہ کی طرف گئے تھے۔ میں خرم کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ ایک ذہین بیٹی کی طرح آپ کے نقش قدم پر چل رہی ہوں۔ زرینہ آپ کے لیے اس وقت ایک خوشی تھی۔ خرم میری خوشی ہے۔ اگر آپ نے میری خوشی پوری نہیں کی تو میں یہی کہوں گی کہ آپ ایک باپ کے رشتے سے فریب دے رہے ہیں جس طرح اپنی ایک بیٹی آمنہ کو فریب دیتے آ رہے ہیں۔"

www.pklibrary.net

اس بار میرامیر خان کا لہجہ نرم ہو گیا۔

"افشاں، باپ کی کمزوری کو سامنے رکھ کر اپنی یہ ناجائز ضد پوری کروانا اچھی بات نہیں ہے۔"

"یہ ناجائز ضد نہیں ہے۔ یہ میری اپنی پسند ہے۔ اگر آپ اس پسند سے انکار کریں گے تو میں یہاں سے نکل کر خرم کے چھوٹے سے محلے میں پہنچ جاؤں گی۔ سنا ہے کہ آمنہ بھی وہیں رہتی ہے۔ اچھا ہے کہ اب آپ کی دونوں بیٹیاں وہیں رہیں گی۔"

وہ دھمکی دے کر جانے لگی۔ باپ نے اسے آواز دی۔

"رک جاؤ مجھے ذرا سوچنے دو۔"

وہ دروازے پر رک کر باپ کی صورت دیکھنے لگی۔ باپ اپنی بیٹی کی صورت دیکھ کر سوچنے لگا کہ ایسے موقع پر کس طرح اپنی عزت اور خاندانی وقار کا تحفظ کرنا چاہیے۔ جلد ہی ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی۔ انہوں نے بڑی نرمی سے کہا۔

"میں خرم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے پاس بھیج دو۔ آج ہی تمہارے مستقبل کا فیصلہ سنا دوں گا۔"

افشاں نے خوش ہو کر کہا۔

"اوہ آپ سچ مچ میرے ڈیڈی ہیں۔ میں ابھی خرم کو بلا کر لاتی ہوں۔"

وہ خوشی سے لہراتی بل کھاتی لائبریری سے باہر آ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی خرم کے ورکشاپ میں پہنچ گئی۔ خرم کالج سے آ کر ورکشاپ میں کام کے حساب کی جانچ پڑتال کر رہا تھا، افشاں نے کار سے سر نکال کر کہا۔

"خرم ادھر آؤ۔ میں تمہیں بہت بڑی خوش خبری سنانے آئی ہوں۔"

خرم کار کے پاس آیا۔ وہ کھڑکی پر جھک کر اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اس کی کسی خوشخبری سے اسے دلچسپی نہیں ہے۔ مگر اس سے پہلے ہی افشاں نے چہک کر کہا۔

"آج میں نے ڈیڈی کو بلیک میل کیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" اچانک ہی خرم کی دلچسپی بڑھ گئی۔

"وہ جو آمنہ تمہارے ساتھ کالج آتی جاتی ہے۔ وہ میرے ڈیڈی کی ناجائز اولاد ہے۔ میں نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ جب وہ آمنہ کی غریب ماں سے

www.pklibrary.net

رشتہ جوڑ سکتے ہیں تو میں خرم کو اپنا جیون ساتھی کیوں نہیں بنا سکتی؟ میں نے دھمکی دی کہ اگر وہ انکار کریں گے تو میں وہ کوٹھی چھوڑ کر خرم کے جھونپڑے میں چلی جاؤں گی۔ اس طرح ان کی دوسری بیٹی بھی غریبوں کے محلے میں پہنچ جائے گی۔ بس وہ دھمکی میں آ گئے۔ اب وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ چلو' لوہا گرم ہو تو اسی وقت اس پر چوٹ لگانی چاہیے"

خرم اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ افشاں کی اس بات نے اسے قائل کر دیا تھا کہ ایسے ہی وقت میرا میر خان کا محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ اپنی ایک بیٹی کو اس محلے میں آنے سے روک سکتے ہیں تو دوسری بیٹی کو اس محلے سے نکال کر اپنے سینے سے کیوں نہیں لگا سکتے؟

ہر شخص اپنے طور پر سوچتا ہے۔ میرا میر خان بھی اپنی لائبریری میں بیٹھے اپنے طور پر سوچ رہے تھے کہ کس صورت سے عزت بچائی جا سکتی ہے۔ پہلی صورت تو یہ تھی کہ اولاد کو نصیحت کے ذریعے غلطی سے روکا جائے مگر نصیحت کا وقت گزر چکا تھا۔ بیٹی باپ کی کمزوری کو سامنے رکھ کر اپنی ضد منوا رہی تھی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اپنی عزت کی خاطر جیسے غریبوں کے جذبات کو دولت سے خریدا جا سکتا ہے۔ وہ پیسے لے کر افشاں کا پیچھا چھوڑ دے۔ اس طرح افشاں کو بھی اس نوجوان کی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔ اگر اس پر بھی ناکامی ہوئی تو تیسری صورت یہ ہے کہ بیٹی کا گلا گھونٹ کر یا خود زہر کھا کر عزت کی خاطر مر جائیں۔

وہ لائبریری سے اٹھ کر بیڈ روم میں گئے۔ آئرن سیف کھول کر بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں پھر انہیں لے کر لائبریری میں واپس آ گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد افشاں' خرم کو لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں خرم کو بیٹھنے کے لیے کہہ کر باپ کو آ کر اطلاع دی۔

"ڈیڈی وہ آ گئے ہیں۔"

"اسے یہاں بھیج دو اور تم اپنی امی کے پاس جاؤ۔ میں اس سے تنہائی میں باتیں کروں گا۔"

افشاں کے جانے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے پھر لائبریری کا دروازہ کھلا تو ایک نوجوان نظر آیا۔ انہوں نے اسے سر سے پیر تک دیکھا جیسے کسی کو خریدنے سے پہلے اسے نظروں سے ٹھونک رہے ہوں پھر انہوں نے خریدار کے سے لہجے

www.pklibrary.net

میں پوچھا۔

"تمہارا نام خرم ہے؟"

"جی ہاں۔" خرم آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز کی قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کرتے ہو؟"

"پڑھتا ہوں اور اپنے ہی ایک موٹر ورکشاپ میں مزدوری بھی کرتا ہوں۔"

"کیا تم میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"کس بیٹی سے؟ بیٹی کا نمبر بتایئے۔"

خرم کے اس غیر متوقع حملے سے وہ گھبرا گئے چند لمحوں تک لاجواب ہو کر اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے جلدی سے کہا۔

"بے کار باتیں نہ کرو۔ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ افشاں۔"

"جی نہیں۔ آپ کی دو بیٹیاں ہیں۔ افشاں اور آمنہ۔"

وہ دانت پیس کر اسے دیکھنے لگے۔ دونوں بیٹیوں کے دونوں نام ان کے خالی دماغ کے گنبد میں گونج رہے تھے پھر انہوں نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چلو دو ہی سہی۔ تم کسے پسند کرتے ہو؟"

"میری پسند سے کیا ہوتا ہے بڑے صاحب؟ میں چھوٹا آدمی ہوں۔ اگر میں افشاں سے شادی کرنا چاہوں گا تو آپ مجھے اتنے اونچے مقام تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ اگر آمنہ سے شادی کرنا چاہوں گا تو لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ جس بیٹی کا باپ زندہ ہو کر مردہ کہلائے۔ وہ بیٹی بھی زندہ رہ کر مردے کی طرح زندگی گزارتی ہے۔ اور آپ باپ بن کر اسے اپنے دروازے سے ڈولی میں بٹھائیں تو میں آپ کی اسی بیٹی سے شادی کروں گا۔"

"میں اسے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے فضول باتیں نہ کرو۔ تمہاری باتوں سے پتہ چل گیا ہے کہ تم آمنہ کو پسند کرتے ہو۔ تمہاری یہ پسند مجھے بہت سی الجھنوں سے نجات دلائے گی اگر تم آمنہ سے شادی کرو گے تو میں تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔ آمنہ کو منہ مانگا جہیز دوں گا۔ تمہیں بھی کاروبار کے لیے پچاس ہزار روپے نقد ملیں گے۔"

www.pklibrary.net

پھر بھی وہ عزت سے دلہن نہیں بنے گی۔ یہ سب کچھ آپ خود کو چھپانے کے لیے کر رہے ہیں جب تک آپ باپ بن کر اس بدنصیب دلہن کے سر پر ہاتھ رکھنے نہیں آئیں گے۔ اس وقت تک اس کی ڈولی عزت سے نہیں اٹھے گی۔"

"تمہیں اس کی عزت کا اتنا ہی خیال ہے تو مجھ پر کیچڑ اچھالنے کے بجائے اسے خاموشی سے کیوں نہیں اپنا لیتے۔ اگر ایک باپ کے بغیر اس محلے میں اس کی بدنامی ہوتی ہے تو اسے دوسرے محلے میں لے جاؤ یا دوسرے شہر لے جا کر شریک حیات بنالو۔"

اگر میں اسے نکاح سے پہلے کسی دوسرے شہر لے جاؤں گا تو وہ اور زیادہ بدنام ہو جائے گی۔ دنیا جانے یا نہ جانے مگر یہ حقیقت نہیں بدلے گی کہ میرامیر خان کی ایک بیٹی ایک نوجوان کے ساتھ محلے سے بھاگ گئی ہے۔"

دنیا والوں کے علم میں آنے سے ہی عزت پر حرف آتا ہے اور غیرت کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ وہ نکاح کے بغیر تمہارے ساتھ کہیں چلی جائے گی تو کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔"

انہوں نے میز پر نوٹوں کی گڈیاں نکالیں، پھر انہیں خرم کے سامنے میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"یہ پچاس ہزار روپے ہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے تم آمنہ کو اس شہر سے دور لے جاؤ مزید رقم کی ضرورت ہو تو مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرو مگر یہ بات یاد رکھنا کہ میں مزید پچاس ہزار سے زیادہ نہیں دے سکوں گا۔"

خرم نوٹوں کی گڈیوں کو گہری سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"بڑے صاحب! آپ ایک تیر سے کتنے شکار کھیلتے ہیں؟ ان روپوں سے آپ افشاں کو شکست دے رہے ہیں۔ دوسری طرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مجھ جیسے عاشق مزاج نوجوان چند نوٹوں سے خرید لئے جا سکتے ہیں۔ مجھے افشاں کی پروا نہیں ہے کہ وہ میرے متعلق کیا رائے قائم کرے گی۔ مجھے صرف آمنہ کی فکر ہے۔ میری عقل کہتی ہے کہ جب اس کا باپ زندہ ہے تو پھر وہ عزت اور آبرو سے دلہن بن کر اپنے باپ کی سرپرستی میں اس کے گھر سے نکل کر میرے گھر آئے۔ میں اسے شریک حیات بنانے کے لیے ایک پیسہ بھی معاوضے کے طور پر نہیں لوں گا۔ میں آمنہ کے لیے صرف نیک نامی چاہتا ہوں اور یہ

www.pklibrary.net

آپ پیسوں کے بغیر بھی دے سکتے ہیں۔"

وہ نوٹوں کی ایک ایک گڈی اٹھا کر واپس ان کی طرف پھینکنے لگا۔ میرامیر خان غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم بے وقوف ہو' پڑھے لکھے جاہل ہو۔"

بے وقوف اور جاہل آپ ہیں۔ میں نے آپ جیسا باپ کہیں دیکھا نہ سنا ہوگا جو اپنی بیٹی کو بھگا کر لے جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ میں آمنہ کو ان پیسوں کے بغیر اپناؤں گا۔ میں تو صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ آپ اپنی جھوٹی عزت کو قائم رکھنے کے لیے کس حد تک بے غیرت بن سکتے ہیں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔ گیٹ آؤٹ۔" وہ غصے سے تھر تھر کانپتے ہوئے چیخنے لگے۔

خرم تیزی سے چلتا ہوا لائبریری سے باہر آ گیا۔ افشاں دوسرے کمرے کے دروازے سے لگی بہت دیر تک ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے آمنہ کو شکست دینے کے لیے خرم کو وہاں بلایا تھا اور خرم نے وہاں پہنچ کر پینترا بدل دیا۔ صاف طور سے کہہ دیا کہ وہ ایک شریف زادی کو چھوڑ کر ایک بدنام لڑکی کو شریک حیات بنانا چاہتا ہے۔ اس کی ایسی توہین کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ غصے اور صدمے سے کٹی جارہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کسے کچا چبا جائے۔ خرم تو پھر بھی غیر تھا مگر اپنے ہی باپ نے تاجر بن کر کاروباری انداز اختیار کیا تھا۔ اس کے ڈیڈی پچاس ہزار روپے کا چارہ پھینک کر اسے بدنام بیٹی کے قریب اور عزت دار بیٹی سے دور کر رہے تھے۔ کیا ان بوڑھے لوگوں کو اپنی جھوٹی غیرت اور شان و شوکت اتنی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اولاد کی خوشیاں برباد کر دیتے ہیں۔ ایسی غلیظ غیرت کو گلے لگائے رکھنے کے لیے اپنی ہی بیٹی کو بھگا کر لے جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔

پھر بیٹیاں غیرت کا مفہوم کیا سمجھیں گی؟ اگر میں بھی کسی کے ساتھ فرار ہو جاؤں تو ڈیڈی کے لئے کیا فرق پڑے گا۔ افشاں کے دماغ میں بغاوت کی آندھیں چلنے لگیں۔ ل کا وہ نوجوان منیجر جو اس کی خاطر ملازمت سے نکال دیا گیا تھا۔ آج بھی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"افشاں اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتی ہو تو میرے پاس چلی آؤ۔ ہم چپ چاپ

www.pklibrary.net

کورٹ میرج کرلیں گے بعد میں تمہارے ڈیڈی کو پتہ چلے گا تو وہ کچھ دنوں تک غصے سے تلملائیں گے۔ اپنے اونچے خاندان کے غرور میں کچھ عرصے تک انگاروں پر لوٹتے رہیں گے مگر ایک بیٹی سے ساری عمر نفرت نہیں کر سکیں گے۔ خون کے رشتے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹ جاتے۔ تمہاری ممی کے رونے پیٹنے سے اور دوسرے رشتہ داروں کے سمجھانے سے وہ ایک دن مجبور ہو کر تمہیں گلے لگا لیں گے۔ اور مجھے بھی اپنا داماد تسلیم کرلیں گے۔"

افشاں کے دماغ میں اپنے اس محبوب کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ واقعی اسے دل وجان سے چاہتا تھا۔ خرم کی طرح فریبی اور دغا باز نہیں تھا۔ اب افشاں کو اپنے محبوب کی باتوں کا وزن معلوم ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد ایک خالی سوٹ کیس نکالا۔ پھر اپنی الماری کھول کر اس میں زیورات کے سیٹ اور نقد روپے نکال کر سوٹ کیس میں رکھ لیے۔ اس کے بعد اس نے اپنے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں رکھیں پھر سوٹ کیس کو بند کرنے کے بعد اپنی میز کے قریب آکر کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنے سامنے پیڈ اور قلم رکھ کر سوچنے لگی۔

○☆○

میرا میر خان کو ایسے زلزلے کے جھٹکے لگ رہے تھے کہ انہیں اپنی کوٹھی کی در و دیوار ہلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس رات انہیں نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنی خواب گاہ میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے۔ بیگم ان کے سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی انہیں چڑکے لگا رہی تھیں۔

"جوانی کا گناہ بڑھاپے میں پلتا پھولتا ہے۔ آپ رنگ رلیاں مناتے تھے میں آپ کو روکتی رہتی تھی۔ اس کم بخت زرینہ کو میں نے ہی یہاں سے نکالا تھا مگر پتہ نہیں بیس برس کے بعد وہ ہمیں بدنام کرنے کہاں سے آگئی ہے۔"

میرا میر خان نے جھنجلا کر کہا۔

"تم نے زرینہ کو اس کوٹھی سے نکالا تھا' اس دنیا سے تو نہیں نکالا تھا۔ وہ تو ایک بیٹی کی ماں بنتے ہی میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ میں ہر ماہ اسے پیسے دے کر اس کا منہ بند کر دیا کرتا

www.pklibrary.net

تھا مگر تمہاری بیٹی اس خرم کو یہاں لے آئی تاکہ وہ مجھے بے غیرت کہے اور ذلیل کرے۔"

"مگر اب کیا ہوگا؟ اس نے پچاس ہزار روپے کی رشوت نہیں لی ہے۔ اب وہ یہاں سے جاکر ہمیں بدنام کرے گا۔"

"اس کا باپ بھی مجھے بدنام نہیں کر سکتا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آمنہ میری بیٹی ہے۔ اگر خرم کے بھڑکانے پر زرینہ مجھے بدنام کرے گی تو یہ آسمان پر تھوکنے والی بات ہوگی۔ میں ایسے ذلیل لوگوں کی پروا نہیں کرتا۔ مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ میں نے افشاں کو ٹھوکر کھانے سے بچا لیا ہے۔ اس نادان لڑکی نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ خرم کے پاس چلی جائے گی۔ اچھا ہوا کہ اس لڑکے نے اسے خود ہی اسے اپنانے سے انکار کردیا۔ اب اس لڑکی کو عقل آگئی ہوگی۔"

بیگم نے بھی اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اگر وہ گھر سے چلی جاتی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔"

"تم کسی کو منہ دکھانے کی بات کرتی ہو بیگم، میں خود اپنی صورت دیکھنا پسند نہ کرتا۔ ایسی ذلت برداشت کرنے سے پہلے ہی مرجاتا۔"

"آپ منحوس بات زبان سے نہ نکالیں۔ اب دانش مندی یہی ہے کہ جلد از جلد افشاں کی شادی کردی جائے۔"

"ہوں۔" انہوں نے طویل "ہوں" کے بعد کہا۔ "یہ لڑکی ہمارے ناموس اور عزت کے لیے بڑا خطرہ بن گئی ہے۔ اب نہ جانے خرم کی باتوں کا اس پر کیا ردعمل ہوا ہے۔ رات کے دو بجے ہیں۔ وہ ضدی لڑکی ابھی تک جاگ رہی ہوگی۔ تم جاکر اسے تسلیاں دو۔ اسے سمجھاؤ کہ ہم تو اس کی پسند کو ناپسند نہیں کر رہے ہیں اس کا پسندیدہ نوجوان ہی دغاباز نکلا۔"

بیگم اٹھ کر خواب گاہ سے باہر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی تنہائی میں خرم کی باتیں نشتر بن کر چبھنے لگیں۔ اس نے بڑی زہریلی بات کہی تھی کہ وہ خود اپنی بیٹی کو بھگانے کا مشورہ دے کر بے غیرت ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ اٹھتے ہوئے ایک قد آدم آئینے

www.pklibrary.net

کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ آئینے میں وہ کہیں سے بے غیرت نظر نہیں آرہے تھے۔
اسی وقت بیگم ہانپتی کانپتی کمرے میں واپس آئیں اور ہانپتے ہوئے ایک خط میرامیر خان کی طرف بڑھایا اور کہا۔

"غضب ہوگیا۔ افشاں کہیں چلی گئی ہے۔"

میرامیر خان نے فوراً ہی اس خط کو جھپٹ لیا۔ خط الٹ کر ان کے ہاتھ میں آیا تھا۔ وہ اسے سیدھا کر کے پڑھنے لگے۔ افشاں نے لکھا تھا۔

"ڈیڈی......! خرم کے فریب نے مجھے یہ سمجھا دیا ہے کہ مجھے دل وجان سے چاہنے والا صرف وہی نوجوان ہے جسے آپ نے مل سے نکال دیا ہے۔ میں اسی کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔ آپ نے خرم کو ایک بیٹی بھگا لے جانے کا مشورہ دے کر میرے لیے فرار کا راستہ کھول دیا ہے۔ میں آج تک یہ سوچ کر ڈرتی تھی کہ میرے غلط قدم اٹھانے سے آپ اپنی بدنامی پسند نہیں کریں گے۔ اپنی جان پر کھیل جائیں گے مگر آج آپ کی باتیں سن کر عقل آگئی کہ کوئی بیٹی کو بھگا لے جائے تو آپ کے عزت کے ماتھے پر شکن نہیں آئے گی۔ میں جانتی ہوں کہ میرا محبوب کہاں رہتا ہے مگر آپ نہیں جانتے۔ لہٰذا آپ مجھے تلاش کرنے کی ناکام کوشش نہ کریں۔ کل یا پرسوں کے اخبار میں آپ کو پتہ چل جائے گا کہ میں شادی کر چکی ہوں۔ شادی کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے اخباروں میں یہ خبر ضرور شائع ہوگی۔ آپ دو چار روز تک بلاناغہ اخبار پڑھتے رہیں۔" آپ کے مشورے پر چلنے والی آپ کے عزت دار بیٹی۔ افشاں۔

وہ خط میرامیر خان کے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر آگیا۔ وہ اپنا سر تھام کر آگے پیچھے ڈگمگانے لگے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ بیگم نے انہیں سہارا دینے کے لیے ہاتھ لگایا تو وہ انہیں پرے دھکیل کر چیخنے لگے۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔ تم بھی یہاں سے عزت کا جنازہ اٹھا کر چلی جاؤ۔ میں اسے کہاں تلاش کروں۔ وہ کہاں ملے گی۔ ملے گی بھی تو کسی غلاظت میں ملے گی۔ کسی کی گندی آغوش میں میری عزت کی دھجیاں اڑا رہی ہوگی۔ نہیں میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا۔ میں دنیا والوں کے طعنے نہیں سنوں گا کہ میری بیٹی نے کس طرح میری عزت کا جنازہ نکالا ہے۔" وہ چیختے ہوئے اپنے آہنی سیف کی طرف جانے لگے۔ خواب گاہ کے

www.pklibrary.net

باہر کوٹھی کے ملازم حیرانی سے کھڑے ہوئے ان کی چیخ و پکار سن رہے تھے۔ ان کے دونوں بیٹے بھی اپنے کمروں سے نکل کر آ رہے تھے۔ اسی وقت بیگم چیختی ہوئی خواب گاہ سے باہر آئیں۔

"ارے کوئی انہیں روکے۔ انہوں نے ریوالور نکال لیا ہے۔"

اس سے پہلے کہ ان کے بیٹے اور ملازم ان کی بات پوری طرح سمجھتے، خواب گاہ کے اندر "ٹھائیں" کی آواز گونجی۔ اور رات کے سناٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔

○☆○

دوسری شام خرم آمنہ کے گھر آ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ماں سے آمنہ کا رشتہ مانگ رہا تھا۔ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی مسکراتی ہوئی اپنے محبوب کی باتیں سن رہی تھی۔ اس وقت ڈیٹو سر جھکائے کمرے میں آیا۔ اس نے بتایا کہ پچھلی رات افشاں گھر سے بھاگ گئی ہے۔ میر امیر خان یہ بات برداشت نہ کر سکے انہوں نے بے عزتی کی زندگی گزارنے کے بجائے موت کو گلے لگا لیا ہے۔ یہ سن کر زرینہ کی آنکھوں میں صرف آنسو آئے مگر دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی بیٹی کا کلیجا پھٹ گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے ابو کو یاد کر کے رونے لگی۔ خرم نے تھوڑی دیر تک اسے رونے دیا تاکہ آنسو کی ذریعے باپ کی موت کا صدمہ کچھ ہلکا پڑ جائے پھر وہ دروازے کے قریب آ کر بولا۔

"آمنہ صبر کرو۔ کوئی باپ یہ بدنامی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹی گھر سے بھاگ جائے یا کوئی بھگا کر لے جائے۔ تمہارے ابو نے اس لیے جان دی ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ غیرت مند تھے۔ آمنہ صبر کرو۔"

○☆○